باسمہٖ تعالیٰ

حیدرآبادی اخباریت اور اصولیت کے درمیان

مناظرہ

مابین

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

و

آغا نصر اللہ عابد

پیش کش

حیدر علی سی ڈی سنٹر

hyderalicdcenter@gmail.com

عرض ناشر: گذشتہ پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں بعض لوگ اخباریت کا ادعا کر رہے ہیں جس کے بانی مولانا سید ریاض الدین حیدر جعفری مرحوم تھے۔ مولانا ریاض الدین حیدر کے ۲۰۰۳ء میں انتقال کے بعد حیدرآبادی اخباریت کی کمان ان کے بیٹے مولانا سید وحید الدین حیدر جعفری کے ہاتھوں میں آگئی جس کے بعد خود اخباریت کے مدعی افراد میں پھوٹ پڑ گئی اور مدعیان اخباریت تین دھڑوں میں منقسم ہوگئے۔ تقسیم کے بعد ایک دھڑے کی قیادت مولانا وحید الدین حیدر کررہے ہیں۔

اصولیوں کی طرف سے اخباریوں کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کئے جانے کے بعد سے اخباریت کے مدعی افراد نے اپنی محافل ومجالس میں اصولیوں کی بڑی تعداد کی توجہ مبذول کرنے کے لئے ان بیرونی ذاکرین وشعراء کو مدعو کرنا شروع کردیا جو یا تو حیدرآباد میں جاری اخباری اصولی کشمکش سے واقف ہی نہیں یا یہ کہ وہ بھی مدعیان اخباریت کے ہمفکر ہیں یا یہ کہ وہ شاعری اور ذاکری ان کا پیشہ ہے جو بھی پیسے دیکر بلالے وہ چلے جاتے ہیں۔ اخباریت کے مدعی افراد اپنی محافل میں بے تحاشہ سجاوٹ کے ذریعہ اصولیوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش میں لگ گئے لیکن سال ۲۰۱۱ء مطابق ۱۴۳۲ھ میں تین اور چار شعبان کو عبادت خانہ حسینی میں ہونے والے جشن میں ہندو سجاوٹ کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس سجاوٹ کی انوکھی بات یہ رہی کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نام کے بورڈ کے ساتھ ''اوم'' کا بورڈ بھی نصب کردیا گیا۔ اس واقعہ کا افسوسناک پہلو یہ رہا کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے چند نوجوانوں نے ان دونوں بورڈز کو ایک ساتھ نصب دیکھ کر مدعیان اخباریت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمیں ہمارے چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علیؑ کا بورڈ دے دیا جائے، اوم کا بورڈ خود آپ لوگ رکھ لیں۔'' بات آگے بڑھ گئی اور مدعیان اخباریت کو ''اوم'' کا بورڈ ہٹانے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدعیان اخباریت کی اس حرکت سے ساری شیعہ قوم کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔ البتہ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ اس مرتبہ تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی وگرنہ ہمیشہ سے ان کی حرکتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جس سے ملت کو دوسری قوموں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

اس واقعہ سے رنجیدۂ خاطر ہوکر قوم کے بعض غیور بزرگوں نے ملت تشیع کے واحد ترجمان روزنامہ ''صدائے حسینی'' میں اس واقعہ کی سخت الفاظ میں مذمت کی جس کی تاب نہ لاکر مدعیان اخباریت نے جواب دینا شروع کردیا۔ اصولیوں کی طرف سے مذمتی بیانات کے ساتھ ساتھ سب سے پہلا مضمون جناب سید علی حیدر رضوی (ایم۔اے عثمانیہ) نے ''کفار سے مشابہت کی مذمت ایمان کی عظمت'' کے نام سے لکھا جس کے ردعمل کے طور پر مدعیان اخباریت کی جانب سے جناب آغا نصراللہ عابد نے اس مضمون کا جواب لکھا۔ بات اس حد تک آگے بڑھ گئی کہ ''مناظرہ'' کی شکل اختیار کرگئی۔

اصولیوں کی جانب سے جناب سید علی حیدر رضوی (ایم۔اے عثمانیہ) اور خود کو اخباری کہنے والوں کی جانب سے جناب آغا نصراللہ عابد نے تحریری مناظرہ کیا جو کئی قسطوں میں کئی دن تک روزنامہ صدائے حسینی میں چھپتا رہا۔ مناظرہ اتنا دلچسپ تھا کہ پتہ چلا قارئین کی ایک بڑی تعداد روزنامہ صدائے حسینی کے دفتر پہنچ کر ان شماروں کا مطالبہ کرنے لگی۔ لہٰذا قارئین کے شدید اصرار پر ماہنامہ صدائے حسینی میں ہوئے اس تحریری مناظرہ کی ایک قسط جو دستیاب نہ ہوسکی اس کو چھوڑ کر تمام قسطوں کو دوبارہ یکجا کرکے کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔ کون جیتا، کون ہارا اس کا فیصلہ انصاف پسند قارئین پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قارئین سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے تأثرات مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر ضرور روانہ فرمائیں:

hyderalicdcenter@gmail.com

حضرت علیؑ کے نام لیوا دوسروں کی پیروی نہیں کرتے

سید جعفر حسین، معتمد عمومی تحریک ملی مفاد

حضرت علیؑ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والا مومن کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا بلکہ اغیار کو ایمان کی طرف دعوت دیتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار معتمد عمومی تحریک ملی مفاد سید جعفر حسین نے کیا اور کہا کہ حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو کفر کے مقابلہ میں کل ایمان قرار دیا۔

کل ایمان کے پیروکار منکران خدا اور رسولؐ سے بیزار رہتے ہیں بلکہ ان کو راہ حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بعثت نبیؐ کے بعد تمام کتب منسوخ ہوگئیں صرف قرآن اور تعلیمات اہلبیتؑ ہی کے ذریعہ ہی حضرت علیؑ کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی شان میں سرکار دو عالمؐ کی احادیث مومن کے لئے کافی ہیں۔ تمام سمندر سیاہی اور درخت قلم بن جائے تب بھی حضرت علیؑ کے فضائل لکھنے کے لئے ناکافی ہونگے۔ مومنین کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کو اعتدال پر رکھیں۔ رسول اکرمؐ نے کہا کہ یا علیؑ تمہارے بارے میں دو لوگ ہلاک ہونگے۔ ایک وہ جو تم سے بغض وعناد رکھے اور فضائل میں قصر کرے دوسرے وہ جو تمہاری محبت کے نام پر غلو کرے۔ اس وقت علماء اکرام پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ فضائل حضرت علیؑ کو محراب ومنبر سے کثرت سے بیان کریں تاکہ قوم و ملت کے نوجوان مولا علیؑ کے فضائل سے آگاہ ہوسکیں۔ جنہوں نے خدا کے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کیا ان کے نام لیوا غیروں کی پیروی نہیں کرتے بلکہ اپنے عمل سے دیگر اقوام کو راہ حق کی طرف دعوت دیتے ہیں، حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام برداشت نہیں کرتے اور بناوٹی اوتاروں کے بجائے اللہ کے حقیقی نمائندوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کیا حضرت علیؑ کے القاب میں کوئی کمی ہے؟

ایس اے حسین، مانصاحب ٹینک

سب ہی جانتے ہیں کہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کی کچھ ریتیں، علامتیں اور نشانیاں ہوتی ہیں جو ان کے عقائد کو اجاگر کرتی ہیں جن سے دیگر مذاہب اور فرقوں کو کوئی سروکار یا مذہبی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں ان کی شناخت ہوتی ہیں۔ ہر شناخت ایک انفرادیت ظاہر کرتی ہے اور اس مذہب سے وابستگی کا اظہار ہوتی ہیں۔ اسلام میں تاکید کی گئی ہے کہ تم ان علامتوں، نشانیوں اور شناختوں کو نہ اپناؤ جن سے کفر وشرک یا دہریت کا اظہار ہوتا ہو۔ عیسائی مذہب کے پیروکار گلے میں جو ٹائی پہنتے ہیں وہ صلیب کی علامت ہے۔ چرچ جانے کیلئے سوٹ، بوٹ، ٹائی اور کالا جوتا پہنتے ہیں۔ اسی طرح ان کے راہب اور راہبائیں مخصوص سفید لباس زیب تن کرتی ہیں۔ اسی طرح اہل ہنود بٹو چھوڑتے ہیں اور بٹو (تلک) لگاتے ہیں زعفرانی لباس ان کی مذہبی علامت ہے اس کے علاوہ رنگولی اور اوم کا مخصوص نشان بھی ان کی مذہبی شناخت اور عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہودی بھی ایک مخصوص ٹوپی پہنتے ہیں اسی طرح سکھ مذہب کے ماننے والے مرد پگڑی باندھتے ہیں ہاتھ میں کڑا پہنتے ہیں کرپان کمر میں اڑوس لیتے ہیں۔ یہ ان کی شناخت کا اظہار ہے۔ مسلمان داڑھی، ٹوپی اور اپنی مخصوص وضع قطع سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ دین دار مسلمان ہیں۔ ہندوستانی مسلمان اگر چہ کہ دیگر مذاہب سے معمولی حد تک متاثر ہیں ان کی بعض رسمیں ریتیں اغیار سے مستعار لی گئی ہیں جن کا تعلق اصل اسلام سے نہیں ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی شادی بیاہ کی رسمیں اس کی مثال ہیں۔ لیکن سبز رنگ، چاندتارہ، ذوالفقار وغیرہ کے ذریعہ مسلمان اپنی تہذیب کو واضح کرتے ہیں حالانکہ یہ نشانیاں بھی اسلامی جواز نہیں رکھتیں۔ مسلمان کی سب سے بڑی شناخت اس کے اخلاق، اسوۂ حسنہ اور مذہبی شعار کی پابندی ہے۔ مسلمانوں کی عیدیں بھی بڑی مہذب علامات کی حامل ہیں ہماری تمام عیدیں عبادت الٰہی، ذکر واذکار، تلاوت قرآن اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے تک ہی محدود ہیں۔ یہی عمل اسلامی طریقہ کار کو اجاگر کرتا ہے۔ ہماری عیدوں میں نہ حرام مشروبات کا استعمال جائز ہے اور نہ ہی ہلڑ بازی شور شرابہ جائز ہے یہ سب ممنوع عمل ہیں۔ لیکن چند سالوں سے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ملت اسلامیہ بھی اغیار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایسی رسموں ریتوں اور اعمال کو انجام دے رہی ہے جس سے اسلام کی متانت مجروح ہورہی ہے، اور مغربی بدحالی، بدمستی اور ہنگامہ آرائی عیاں ہورہی ہے۔ یہ باتیں ہماری شناخت کو مسخ کررہی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ عمل اسلام پر کاری ضرب ہے۔ اسلام کی شناخت کو مٹانے کی نادانستہ کوشش ہے۔ یا پھر ہم ہی میں ایک ایسا طبقہ ابھر آیا ہے جو دشمنان اسلام کے اشاروں پر اسلام کو ملیامیٹ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ان افراد کی وجہ سے ملت میں تفرقہ کی بھی آبیاری ہورہی ہے۔ امام حسینؑ کے یوم ولادت اظہار مسرت کے لئے اپنے محلوں کو بقعۂ نور بنانا بہترین سجاوٹ اور دیگر زیبائش کے سامان سے مزین کرنا قابل ستائش ہے۔ نوجوانوں میں اس روز جوش وخروش کا ہونا بھی حضرت امام حسینؑ سے قلبی لگاؤ کا ثبوت ضرور ہے لیکن اگر اس لگاؤ کا اظہار خرافات سے ہونے لگے تو یہ بات باعث تشویش ہوجاتی ہے۔ ان سے باز رہنے کی نوجوانوں کو تلقین کرنا دینی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ ورنہ ان رواجوں اور رسموں ریتوں کے رواج پاجانے سے اسلامی تعلیمات کے مسخ ہوجانے کا شدید خطرہ پیدا ہوجائیگا۔ چنانچہ ان ہی وجوہات کی بناء پر الٰہی ادیان یعنی یہودیت، عیسائیت، مسخ ہوگئے ورنہ وہ اسلام ہی کی سابقہ شکل تھے اور ان کے صحیفے بھی الٰہی تھے۔ اگر کوئی غلط روش یا غلط رسم اسلام میں مروج کی جارہی ہے تو اسے ابتدائی مرحلہ میں ہی روک دینا واجبی لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ یہی چیز دین کو مسخ کرنے کا مستقبل میں سبب بن سکتی ہے۔ اسلام کے بگاڑ کا باعث ہوسکتی ہے۔ امام حسینؑ کی ولادت کے دن سجاوٹ میں ''اوم'' کے نام کو شامل کرنا اسلامی شعائر کے عین خلاف عمل تھا۔ اس پر اسلام کے دیگر فرقوں کا اعتراض واجبی اور درست تھا۔ کیونکہ اہلبیت اطہارؑ کی قدر ومنزلت اور ان کا عرفان قدر مشترک ہے اس میں مسلک کا عمل دخل نہیں ہے۔ اسلام میں حضرت علیؑ کی ذات کو جو ممتاز مقام حاصل ہے اس سے کسی اسلامی فرقہ کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ شرک وکفر کو مٹانے میں آپ کی ذوالفقار نے جو جوہر دکھائے وہ سب پر عیاں ہیں۔ آپ کی ذات گرامی تمام تر کمالات اور فضائل سے لیس ہے۔ کوئی ایسا کمال یا لقب یا وصف نہیں ہے جو آپ کی شان میں کسی اضافہ کا سبب بنے۔ ایسی صورت میں اغیار کے دیوی دیوتاؤں سے حضرت علیؑ کی ذات کو جوڑنا نری جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ لفظ مظہر العجائب، لسان اللہ، جنب اللہ، اسد اللہ، نور اللہ، حبل اللہ، ابوتراب وغیرہ وغیرہ سے زیادہ فضلیت رکھتا ہے؟ حضرت علیؑ کی ذات عبدیت کی معراج ہے۔ تاریخ میں حضرت علیؑ سا بندہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ آپ کا وجود ایک جیتے جاگتے انسانی پیکر کا تھا جس کے باطن میں نورانیت پوشیدہ تھی جب کہ ''اوم'' کسی ایسی ہستی کا نام نہیں ہے جو اپنا وجود رکھتی تھی۔ لوگوں کو دکھائی دیتی تھی اور عبدیت کے کوئی امور انجام دیتی تھی۔ یہ صرف تخیل کی پیداوار ہے پھر اس کے پہلو میں تثلیث کا عقیدہ وابستہ ہے۔ تری مورتی یعنی برہما، وشنو، مہیش اوم ہی کے اوتار مانے جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ اہل ہنود کا ہے۔ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مسلمان تو ہر خدا کی نفی کر کے

ایک خدا کا اثبات کرتے ہیں اور کلمۂ طیبہ پڑھتے ہیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے عقیدہ کو اغیار میں تبلیغ کریں نہ یہ کہ اغیار کے عقیدوں کی مسلمانوں میں تبلیغ کریں۔ایسے مبلغین اسلام کی لوٹیا ڈوبو دینگے ۔کیا ہم اسلامی عقائد کو دوسرے مذاہب کے عقیدوں سے خلط ملط کرنا چاہتے ہیں؟ ہمیں کسی قرآن کی آیت یا رسولؐ کی حدیث وائمہ معصومینؑ کے ارشادات سے یا کسی عالم دین کی تاویل وتفسیر اور بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت علیؑ ہی ''اوم'' ہیں نہ ہی کسی اچاریہ یا پنڈت نے کبھی یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کے اہم رہنما حضرت علیؑ ''اوم'' ہی کا نعوذ باللہ اوتار ہیں۔پھر اوم کے نام سے حضرت علیؑ کو معنون کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ اوم کا نام شرک کرنے والوں کے ذہن میں کیونکر سمایا؟ نہیں معلوم۔ مفروضوں اور بے اصل حکایات کو یا بے سروپیر کی تحقیقات کو اپنا عقیدہ بنالینا اسلامی شان کے خلاف ہے۔اسلام تو ہر عقیدہ کو تحقیق کے ثابت ہوجانے کے بعد ماننے کی تعلیم دیتا ہے۔

☆☆☆

کفار سے مشابہت کی مذمت
ایمان کی عظمت

(قسط اول)

سید علی حیدر رضوی (ایم۔اے عثمانیہ)

روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب کسی یہودی نصرانی یا مجوسی کو دیکھو تو یہ کہو، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنِیْ عَلَیْکَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَالْقُرْآنِ کِتَابًا وَمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَبِعَلِیٍّ اِمَامًا وَالْمُؤْمِنِیْنَ اِخْوَانًا وَبِالْکَعْبَةِ قِبْلَةً

اللہ تعالیٰ کافر اور مومن کو جنہم میں جمع نہیں کریگا۔ آیات اور بے شمار احادیث واخبار سے مستفاد ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ کفار کی دوستی ان سے میل جول ومحبت اور ان کے ساتھ متشابہ ہونے سے اجتناب کریں اور ان کے طریقہ پر نہ چلیں۔ رئیس المحدثین ابوجعفر بن علی بن حسین بن موسیٰ بابویہ صدوق قمی علیہ الرحمہ المعروف باشیخ صدوقؒ جو ہمارے بارہویں امام حضرت حجت صاحب الزمان علیہ السلام کی دعا کی برکت سے 306ھ میں قم میں پیدا ہوئے جو اخباری علماء میں سرفہرست ہیں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ نے ایک پیغمبر کی طرف وحی کی کہ مومنین سے کہدیں کہ وہ میرے دشمنوں (کفار ومشرکین) کا لباس نہ پہنیں اور ان جیسی خوراک نہ کھائیں اور ان کے راستوں پر نہ چلیں ورنہ وہ بھی میرے دشمن ہوجائیں گے جیسے کہ وہ کفار ومشرکین میرے دشمن ہیں۔'' اسی لئے بہت سے اخبار میں وارد ہوا ہے کہ فلاں عمل کو بجالاؤ۔اور اپنے آپ کو کفار کے مشابہ نہ بناؤ،اسی روایت ہی کی طرح ایک اور روایت جو حضرت رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا اپنی مونچھوں کو جڑ سے کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ یہودیوں اور مجوسیوں کے مشابہ نہ بنو۔نیز آپؐ نے فرمایا کہ مجوسی داڑھیوں کو منڈواتے ہیں اور مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور ہم مسلمان مونچھیں کٹواتے ہیں اور داڑھی رکھتے ہیں۔آپؐ نے مجوسیوں کے ایک وفد کو جسے کسریٰ نے اپنے عاملین کو لکھا کہ آنحضرتؐ کو اس کے پاس لیجائیں تو اس نے اپنے کاتب بابویہ اور ایک دوسرے شخص کو جس کو خرخسک کہتے تھے مدینہ منورہ حضورؐ اقدس کے پاس بھیجا اور ان دونوں سفارت کاروں نے اپنی داڑھیاں منڈوائی ہوئی تھیں اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرتؐ نے اس حلیہ کو ناپسند فرمایا اور ان کو اس حالت میں دیکھ کر فرمایا ''وائے ہو تم پر کس نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔'' وہ کہنے لگے کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے، یہ سن کر آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی رکھوں اور مونچھیں کٹواؤں تو بھی جان لے کہ حق تعالیٰ نے سورۂ ہود میں فرمایا ہے کہ وَلَا تَرْکَنُوا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ اَوْلِیَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (ھود/۱۱۳)

(ترجمہ: اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمہیں چھولے گی اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی سرپرست نہیں ہوگا اور تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی) اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مفسرین فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا میلان بھی نہ کرو چہ جائے کہ زیادہ ان لوگوں یعنی کفار ومشرکین کی طرف کہ جنہوں نے ظلم کیا ہے۔پس تم تک بھی آتش جہنم پہنچ جائے گی۔بعض دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ ''رکون'' کہ جس کے اس آیت میں نفی کی گئی ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ظلم میں ان کے ساتھ داخل نہ ہو۔ان کے کاموں سے اظہار رضایت واظہار موالات نہ کرو۔جب

ہمیں کفار ومشرکین کی وضع وقطع ان کا لباس ان کی غذائیں تک استعمال کرنے سے تک منع کردیا گیا ہے اور یہ انتباہ بھی دے دیا گیا ہے کہ اگر تم ایسا کروگے تو ظلم کروگے اور آتش جہنم تم تک بھی پہونچ جائے گی۔ روایات اہلبیتؑ میں ہے کہ رکون کے معنیٰ ان کی (کفار ومشرکین) کی مودت ہے۔ان سے نصیحت اوران کی اطاعت کرنا ہے۔

جب اللہ اوراس کے رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ نے کفار کی وضع و قطع لباس غذا وغیرہ میں مشابہت کرنے سے تک منع کردیا ہے تو ہم کفار ومشرکین کے عقائد کی نقل کیسے کرسکتے ہیں؟ اہل ہنود کے پاس اوم، ایک بھگوان ہے جسے ان کے تخیل نے تراشا ہے پھراس اصطلاح کا اطلاق کس طرح سے نعوذ باللہ حضرت علیؑ جیسی بزرگ وبرتر ہستی پر کرسکتے ہیں جو شخص اس کا حکم دیتا ہے وہ عالم نہیں جاہل ہے۔ایسے شخص کی پیروی طاغوت کی پیروی ہوگی۔جیسا کہ قرآن میں آیت الکرسی میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت سے گمراہی کی طرف بلاتے ہیں چنانچہ ہمیں ان سے سخت پرہیز کرنا چاہئے اوراسی طرح دوری اختیار کرنی چاہئے جس طرح کفار ومشرکین سے اختیار کرنے کی تاکید ہے۔اس لئے جب ہمیں عالم بےعمل کی بھی پیروی سے روک دیا گیا ہے تو پھر اس شخص کی پیروی کس طرح جائز ہوسکتی ہے جو خود شرک وکفر میں مبتلا ہو اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کرنے کا باعث ہورہا ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جب تم کسی عالم کو دنیا میں غرق دیکھو تو یہ مت سمجھ لینا کہ وہ تمہارے دین پر ہے۔ بلاشبہ جو شخص جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔تو بھلا جو دنیا پرست ہو اس کا آخرت سے کیا سروکار۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ پر وحی نازل فرمائی کہ ”خبردار اپنے اور میرے درمیان کسی دنیا پرست عالم کو واسطہ اور وسیلہ نہ بنانا۔ورنہ وہ تمہیں بھی میری محبت سے باز رکھے گا یعنی تمہیں بھی اپنی طرح مرض حب دنیا میں مبتلا کردیگا۔حقیقتاً یہ لوگ میرے بندوں کی راہ میں دین کے لُٹیرے اور رہزن ہیں۔ اس دنیا میں ان کے لئے کمترین سزا یہ ہے کہ اپنی مناجات کی شیرینی وچاشنی ان کے دلوں سے میں نکال لوں گا۔“(بحوالہ کافی)

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص علماء سے مقابلہ آرائی اور فخر ومباہات کے لئے سفہاء(بیوقوفوں) سے مجادلہ ومناقشہ کی خاطر یا لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لئے یعنی لیڈری کے شوق میں علم حاصل کرے اس کی نشست گاہ کو آگ سے بھردیا جائے گا۔“ کیونکہ رہبری وبزرگی اس کے اہل ہی کو زیب دیتی ہے۔چہ جائے کہ جو نہ علم دین حاصل کرے اور نہ کسی جید جامع الشرائط عالم کی صحبت اختیار کرے اور صرف باپ دادا کی علمیت کی ڈھاک بٹھا کر خود عالموں جیسا حلیہ بنا کر منبر رسولؐ پر چڑھ بیٹھے اس کا کیا حشر ہوگا جبکہ وہ غیروں کے مذہب کی تبلیغ اپنے ہی لوگوں میں کرنے لگے اور انہیں گمراہ کرے۔درحقیقت وہ تمام لوگ جو ہوا وہوس دنیاوی حرص کی پیروی میں اہل بیتؑ اطہار اوران کی جانب سے منصوب علماء کو چھوڑ کر اغیار کے دامن سے وابستہ ہوگئے اس آیۂ کریمہ کے حقیقی مصداق ہیں جس میں ارشاد ہوتا ہے افرأیت من اتخذ الله هواه ”کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے ہویٰ وہوس کو اپنا خدا بنالیا ہے“۔ ہم اگر نماز روزوں اور دیگر عبادات کو ترک کر کے صرف عیدین خاص کر ولادت پیغمبرؐ، ائمہ معصومینؑ پر صرف جشنوں کا انعقاد کریں، سجاوٹ وتزئین کا اہتمام کریں اور ائمہ اطہارؑ اور رسول اکرمؐ کی تعلیمات کو فراموش کردیں تو ہماری ایسی محافل مقدس ونورانی کہلائیں گی اور مومن ہونے کی تصدیق کردینگی؟

عبادات کی صحت کے لئے چند شرائط کا پایا جانا لازمی ہے جن میں اہم ترین اور بزرگ ترین شرط خلوص نیت ہے۔خالص نیت ہی پرتمام عبادتوں کی قبولیت کا دارومدار ہے۔اگر کوئی عمل اخلاص کی بنیاد کے بغیر انجام دیا جائے تو وہ مُبعِد ہے یعنی ایسا عمل جو بندہ کو خدا سے قریب تر کرنے کے بجائے اسے خدا سے دور کردے۔اس موضوع پر قرآنی آیات کثرت سے موجود ہیں چنانچہ سورہ 32 کی 17ویں آیت ہے۔”یعنی انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلصانہ طور پر بجالائیں۔“ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہماری مقدس محافل خواہ محافل جشن ہو کہ مجالس عزاء خلوص سے عاری ہوتی جارہی ہیں۔ان میں ریاکاری کا عمل دخل ہوگیا ہے۔جبکہ روایات سے ثابت ہے کہ ریاکار مشرک، منافق، مغضوب پروردگار اور مستحق عذاب ہے خواہ اس کی ریاکاری واجبات میں ہو یا مستحبات میں ہو۔خواہ مطلق ہو یا شمولیت کے طور پر یعنی صرف دکھاوے کے لئے وہ کوئی عبادت بجالائے جس کا مقصد محض لوگوں کے درمیان عزت ومنزلت حاصل کرنا ہو یا اس کا مطمح نظر حکم الٰہی کی پابندی اور اس کی خوشنودی وتقرب جوئی ہو۔لیکن اس کے ساتھ لوگوں میں باعزت باوقار اور قابل تعریف شخصیت بننے کی خواہش بھی شامل ہو۔وہ ریا پرمبنی عمل قرار پائے گا۔اس سے قرب

> **علم توارث سے نہیں ملتا۔ باپ کے نسلی خواص تو بیٹے میں منتقل ہوسکتے ہیں لیکن علم نسلی خواص میں شامل نہیں، اسے کسب کرنا پڑتا ہے۔ لوہے کے چنوں کی طرح چبانا پڑتا ہے۔**

الٰہی ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ وہ قریب سے دور ہوجائے گا۔ امام حسینؑ کی ولادت کے دن جس نے سجاوٹ وتزئین میں جدت دکھانے کے لئے حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ اوم کا نام شامل کیا اور اسے نعوذ باللہ حضرت کے مبارک نام کے ساتھ نصب کر کے یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی کہ حضرت علیؑ ہی معاذ اللہ اوم ہیں۔نہیں معلوم ان ظلمت کے علم برداروں کو یہ روایات کہاں سے ملی جبکہ ہمارے تمام ماخذ یعنی قرآن، احادیث، ارشادات ائمہ معصومینؑ اور تفاسیر علماء وتواریخ اسلام سب خاموش ہیں۔کوئی ضعیف روایت بھی اس تعلق سے نہیں ملتی شائد اس حرکت کو انجام دینے والے شخص کو یہ زعم ہوگیا تھا کہ وہ ایسا کر کے ایک جدت کررہا ہے لوگ اس کی اس بیجا کاوش کو سراہیں گے اور اس کی ستائیش کرینگے۔ اس کی تعریف کے پل باندھیں گے اور اسے بڑا محقق اور عالم وجدید فکر کا حامل قرار دیں گے۔ایسا خیال ہی رہا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔تاریخ سے بھی سبھی کو معلوم ہے کہ ہندو مذہب قبل مسیح کا ہے۔اسلام محمدیؐ کے آنے سے صدیوں قبل کا ہے پھر اس نام کو مولا علیؑ کے نام کے ساتھ مربوط کرنا جاہلیت کا بین ثبوت نہیں اور کیا ہے؟ اللہ ہمیں اور ہمارے نوجوانوں کو نیک توفیق عطا کرے۔

☆☆☆

کفار سے مشابہت کی مذمت

ایمان کی عظمت

(قسط دوم)

سید علی حیدر رضوی (ایم۔اے عثمانیہ)

میرے مضمون ''کفار سے مشابہت کی مذمت ،ایمان کی عظمت'' کے جواب میں معزز مراسلہ نگار جناب نصراللہ عابد کا مراسلہ روزنامہ ''صدائے حسینی''، مورخہ 21 جولائی کالم ہم کلامی میں شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ کرنے کا موقع ملا پڑھ کر مسرت ہوئی کہ چلو کسی میں تو اتنی اخلاقی جرأت پیدا ہوئی کہ ایک علمی بحث کا جواب تحریراً دے ورنہ ہم تو نوجوانوں کی دیرینہ اور قدیم روایت کے مطابق توقع کررہے تھے کہ مضمون کے جواب میں رکیک شخصی حملے گالی گلوج ،لعن تعن اور جان سے مار ڈالنے والی دھمکیاں موصول ہونگی یا پھر روزنامہ کے دفتر پہنچ کر مضمون کی اشاعت کے لئے ایک معصوم مدیر کو نشانہ بنایا جائے گا جس کا تحریر سے کوئی واسطہ نہیں لیکن جناب نصراللہ عابد کی تحریر روزنامہ صدائے حسینی میں پڑھ کر احساس ہوا کہ قوم کے نوجوانوں میں اخلاقی بلندی عود کر آرہی ہے۔ علمی جہاد کا حوصلہ پیدا ہو رہا ہے۔قلم کا جواب بھی قلم ہی کے ذریعہ دیا جارہا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔مہذب انداز مباہلہ ہے۔ مجھے مراسلہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی ہے۔

قبل اس کے کہ میں اپنے خامہ حق کو نوشت کے لئے قرطاس ابیض کو جنبش دوں ضروری سمجھتا ہوں کہ مدیراعلیٰ روزنامہ ''صدائے حسینی''، سید جعفرحسین کی غیر جانب دارانہ صحافتی دیانتداری کو تہنیت پیش کروں جنھوں نے دونوں مبحث فریقوں کے مضامین کو بلاکسی قطع وبرید کے من وعن شائع کیا ہے اور اپنے حق ادارت کو محفوظ رکھا۔دونوں کے مضامین کو یکساں اہمیت دی، کسی تحریف اور قطع وبرید کو کام میں نہیں لایا حالانکہ موجودہ دور کی صحافت آلودہ ہوچکی ہے۔ صداقت ،دیانت داری غیر جانبداری جیسے صحافتی آداب عنقا ہوگئے ہیں۔جب سے صحافت پر عالمی سطح پر یہودیوں کا قبضہ ہوگیا ہے صحافت بھی تجارت ہوگئی ہے۔لیکن جناب سید جعفرحسین صاحب نے اپنے اخبار کا جیسا نام رکھا ہے ویسے ہی اعلیٰ معیارات کو رائج کرنے کی سعی بلیغ کررہے ہیں۔امام حسینؑ کی صدا حق کی آواز تھی' صداقت کا پیغام تھی' باطل کے لئے للکار تھی' مظلوموں کے لئے ڈھارس وطمانیت تھی، پناہ کا احساس تھی ،ظلمت کے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے شمس النہار تھی ۔ یہ آواز آج بھی ان تمام خرابیوں کا پیچھا کررہی ہے اور تاقیامت یہ صدائے حسینی باطل کا پیچھا کرتی رہے گی اور حق کی روشنی پھیلاتی رہے گی۔ میں جناب جعفرحسین صاحب کی مدیرانہ صلاحیت کو زبردست خراج پیش کرتا ہوں اور اخبار کی ترقی کیلئے تہہ دل سے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہوں۔آمین ثم آمین۔

میں نے اپنے مضمون ''کفار سے مشابہت کی مذمت ایمان کی عظمت'' کو مدلل اور جامع بنانے کے لئے آیات قرآنی، احادیث اور روایات کا سہارا لیا تھا تاکہ فریق مخالف کو انکار کی گنجائش نہ رہے اور اگر ان کے لئے کوئی گنجائش نکل آتی ہے تو وہ بھی روایات واحادیث اور آیات سے فکری اختلاف پر ممکنہ دلائل پیش کرینگے۔لیکن افسوس کہ جواب میں مراسلہ نگار نصراللہ عابد نے اپنے مراسلہ میں بجائے آیتیں، حدیثیں، اور اقوال معصومینؑ نقل فرمانے کے صرف شخصی حملے کرنے پر اکتفا کیا ہے۔مجھے توقع تھی کہ مراسلہ نگار علمی انداز میں بحث قلم بند کرینگے۔لیکن وہ تو اپنی نری جہالت کا ثبوت دینے ذاتی رکیک حملوں پر اتر آئے۔لیکن ان حملوں کے وار بھی کسی اناڑی سپاہی کے وار کی طرح ناقص اور خالی گئے،جن سے کاری زخم تو کجا، ایک معمولی خراش تک نہ پہنچی۔

مراسلہ نگار کفار اور مشرکین سے مشابہت کا مفہوم ہی سمجھ نہیں پائے، چنانچہ انہیں یہ شرعی مسئلہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کفار اور مشرکین سے لباس میں مشابہت کا

مطلب ایسا لباس ہے جسے دیکھتے ہی یہ یقین ہو جائے کہ وہ کافر یا مشرک ہے۔ جب کوئی لباس عمومیت اختیار کر لیتا ہے اور اس لباس کو سب ہی پہننے لگتے ہیں اور اس سے شناخت کرنا ممکن نہیں ہوتا تو وہ عمومی لباس ہو جاتا ہے، جس کی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن علم سے عاری ایک مراسلہ نگار سے ایسے ہی بے وزن اور غیر علمی مراسلے کے سوا امید بھی کیا کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ مراسلہ نگار نے میرے عمومی لباس کو کفار و مشرکین سے مشابہت قرار دیا ہے اور لعنت کو مجھ پر پلٹا دیا ہے۔ جبکہ یہ لباس کسی خاص مذہب کے پیرو یا کافر و مشرک کی شناخت کو ظاہر نہیں کرتا، بلکہ ایسا لباس تو بلا تخصیص مذہب و ملت کیا کافر کیا مشرک کیا یہودی و نصریٰ سب ہی پہنتے ہیں۔ جب کوئی لباس عام ہو جائے تو اس پر یہ شرعی حکم لاگو نہیں ہوتا چنانچہ علامہ مجلسیؒ جو اخباری علماء کی فہرست میں شامل ہیں نے اپنی معرکۃ الارا کتاب ''حلیۃ المتقین''، جس کا اُردو ترجمہ تہذیب الاسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے، باب لباس میں اس کی صراحت کر دی ہے۔ کمال کی بات تو یہ ہے کہ میرے جس لباس پر مراسلہ نگار نے تنقید کی ہے خود ان کا لباس بھی وہی ہے۔ وہ اسی لباس میں شہر کی گلی کوچوں میں گشت لگاتے رہتے ہیں۔

مراسلہ نگار نے اپنے قبلہ و کعبہ کی محبت میں یہ لکھا ہے کہ جس کا باپ اتنا بڑا عالم ہو کہ جس کے سوالات کا جواب آج تک بڑے سے بڑا عالم دینے سے قاصر رہا ہے، یہ مجذوب کی بڑ ہے، کنویں کے مینڈک کی ٹرٹراہٹ ہے، حمار کی صدا ہے۔ مذہب اثنا عشری میں ایسے جید علماء گذرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جنہوں نے دین اسلام کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے، خواہ وہ فقہ کا میدان ہو یا اصول و فروع دین کا عنوان ہو، فلسفہ ہو کہ تاریخ یا علم الکلام علم البیان، علم الحدیث و رجال۔ آج بھی علمی تحقیق و تبحر علمی میں شیعہ علماء کا کوئی ثانی نہیں ہیں۔ ہر مذہب و مسلک کے علماء اگر کسی سے گھبراتے ہیں تو وہ شیعہ علماء ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو اور دیگر زبان کی ادبیات میں بھی ان کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ چنانچہ مولائے متقیانؑ کا قول ہے ''ہمارے علماء دین کے ستارے ہیں جو اپنی علمی روشنی سے جہلا کو راہ دکھاتے ہیں''۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ'' میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل سے افضل ہیں۔''

اپنے مربی عالم کے جس تبحر علم کے ذکر میں جناب نصر اللہ عابد نے جن سوالات کے جوابات کی عدم وصولی کا شکوہ کیا ہے، اگر وہ ایک ہی سوال تحریر کر دیتے تو ان کا یہ دعویٰ ناقابل رد دلیل بن جاتا لیکن انہوں نے تو بس کسی بہلول کی طرح ہانک لگا دی ہے۔ شیعہ مذہب کا تو بہلول بھی دانا ہوتا ہے جس سے سلطنت عباسیہ کا حاکم بھی عاجز رہتا ہے البتہ بہلول دانا بھی اب ہوتے تو وہ ہمارے شہر حیدر آباد کے بہلولوں سے مات کھا جاتے کیونکہ ان کے پاس فاطر عقل کو رد کر دینے والے سوالات کا جواب نہیں ہوتا۔ جس عالم کی برتری جتانے کے لئے جناب نصر اللہ عابد نے لاحاصل اور بے فیض جنبش اپنے قلم کو دی ہے مگر وہ اپنے قبلہ کا ایک علمی کارنامہ بھی بیان نہ کر سکے۔ ان کے اس ماوا و ملجاء عالم نے کوئی علمی کارنامہ اپنی یادگار کے لئے نہیں چھوڑا ہے۔ کسی عنوان پر ان کی کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ ہاں چھوٹے موٹے کتابچہ ضرور دستیاب ہیں جو ہمارے ہی جید علماء سے مستعار لیے گئے ہیں۔ ان ہی کے مضامین کا اخذ کردہ چربہ ہیں کوئی تحقیق نہیں ہے حالانکہ خود کو ماہر علوم مشرقیہ سے ملقب کر لیا کرتے تھے، لیکن اس دعوے کو سند عطا کرنے کے لئے کوئی تحقیقی کام ملت کے لئے نہیں چھوڑا ہے۔

اب تک ہم نے فارسی کا ایک مقولہ، پدرم سلطان بود سنا تھا لیکن مراسلہ نگار جناب نصر اللہ عابد نے ہمیں ایک نئے مقولہ سے یہ کہہ کر متعارف کروایا ہے کہ ایسے بڑے عالم کے بیٹے کو کسی عالم کے آگے زانوئے ادب طے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر باپ عالم ہو تو بیٹا بھی عالم ہو جاتا ہے جبکہ علم توارث سے نہیں ملتا۔ باپ کے نسلی خواص تو بیٹے میں منتقل ہو سکتے ہیں لیکن علم نسلی خواص میں شامل نہیں اسے کسب کرنا پڑتا ہے۔ لوہے کے چنوں کی طرح چبانا پڑتا ہے۔

مراسلہ نگار نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ میں نے اپنے مسلک کو ظاہر نہیں کیا ہے۔ آیا میں شیعہ اثنا عشری ہوں یا کچھ اور؟ میرا مسلک وہی ہے جو ائمہؑ کے فرمابرداروں کا ہے۔ قرآن کے عاملوں کا ہے اور احادیث پر ایمان رکھنے والوں کا ہے۔ یہ فیض میں نے علماء کی صحبت اور ماں باپ کی دینی تعلیم سے پایا ہے۔ مدرسہ جعفریہ سے تحصیل علم کیا ہے۔ (سلسلہ جاری)

☆☆☆

بجواب: کفار سے مشابہت کی مذمت ایمان کی عظمت

(قسط دوم)

آغا نصر اللہ عابد (اخباری)

مورخہ 23/جولائی

بجواب: ''کفار سے مشابہت کی مذمت'' ایمان کی عظمت (قسط دوم) مورخہ 23/جولائی روزنامہ ''صدائے حسینی'' پڑھ کر بڑی مایوسی ہوئی ویسے ظنی طالب علم سے سوائے ظن کے اور کیا توقع کیجا سکتی ہے؟ مضمون میں آپ نے لکھا کہ ''نوجوانوں کی دیرینہ اور قدیم روایت کے مطابق توقع کر رہے تھے کہ مضمون کے جواب میں رکیک شخصی حملے گالی گلوج، لعن تعن اور جان سے مارڈالنے والی دھمکیاں موصول ہونگی''، تو جناب یہ عمل آپ لوگوں کا ہے۔ چونکہ آپ کے پاس دین میں فتوے دینا عام ہے اور فقیہ اپنا ظنی فتویٰ دینے کے بعد واللہ اعلم کہہ دیتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حیدرآباد کے ایک عالم کا قتل مقلدین مجتہدین نے دامن کوہ مولا علیؑ میں کیا تھا۔ مضمون میں آپ نے ابھی تک اپنے مسلک کا اظہار نہیں کیا مجھے معلوم ہے کہ آپ اصولی معتزلی ہیں کیونکہ اس سے پہلے ایک کتابچہ بعنوان ''عین العقائد'' ایک اصولی معتزلی نے چھاپا تھا جس کا پیش لفظ آپ کا لکھا ہوا تھا۔ آیئے آج آپ کے مسلک کے بارے میں بتاؤں کہ آپ نہ صرف اُصولی، معتزلی ہیں بلکہ آپ قادیانی بھی ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ قادیانی ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں آپ بھی ختم امامت کے قائل نہیں ہیں دلیل کے طور پر آپ کے پاس دیگر آیت اللہ کو بھی انہیں کا ہم رتبہ جانتے ہیں۔ آپ نے لکھا ''علم توارث سے نہیں ملتا۔ باپ سے نسلی خواص تو ملتے ہیں لیکن علم خواص میں شامل نہیں ہے۔ اسے کسب کرنا پڑتا ہے۔'' افسوس آپ نے میرا مضمون برابر نہیں پڑھا۔ پھر ایک مرتبہ جہالت کا چشمہ اُتار کر پڑھیے اس میں نے لکھا تھا کہ جس کا باپ اتنا بڑا جید عالم ہے اس کو دوسروں کے آگے زانوئے ادب تہہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آیئے آپ کے جواب میں ان ہی کے چند سوالات پیش کر رہا ہوں

> بحث سے عوام کو بھی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اور وہ اس سلسلہ میں مدلل بحث کو پسند فرماتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اس سے انہیں تہہ تک پہونچنے میں مدد مل رہی ہے۔ ان حالات میں بیٹھ کر بات چیت کر لینے کی دعوت مجھے دینا نامناسب بات ہے۔ کیونکہ آپسی گفت وشنید کا فائدہ صرف مبحث فریقین ہی کو پہونچے گا۔ عوام استفادہ سے محروم ہوجائیں گے۔ سابق میں بھی حیدرآباد کے ایک خود ساختہ اخباری نے 2008 میں الاوۂ سرطوق میں اصولی مکتب کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ اس وقت قوم کے ایک نوجوان سید جعفر حسین نے اس مباہلہ میں شرکت کی تھی اور ایسے سوالات کئے تھے جس کے جوابات خود ساختہ اخباری عالم نہیں دے پائے تھے جبکہ ان کے تمام سوالات کے جوابات جناب سید جعفر حسین نے ترکی بہ ترکی دے دیئے تھے جس سے خود ساختہ اخباری عالم کی ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں اور وہ لاجواب ہو کر شکست خوردہ ہوگئے تھے۔ جب نوعمر دینی طالب علم حق کو واضح کر کے کامیاب و کامران لوٹ آئے جس کا ریکارڈ خود اخباریوں کے پاس ویڈیو اور کسیٹ میں موجود ہوگا اب ان حالات میں پھر نشست رکھنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ لہذا خط وکتابت ہی ایک بہتر اور علمی صورت رہ گئی ہے۔ اس کی افادیت بھی وسیع ہے۔
>
> سید علی حیدر رضوی
>
> ایم اے عثمانیہ

اگر ہوسکے تو آپ یا آپ کے کسی عالم سے اس کے جوابات اسی روزنامہ میں شائع کردیں۔ 1۔فقیہ کے مرجانے سے اس کے دیئے ہوئے فتوے کیوں مرجاتے ہیں؟ 2۔ پہلے مجتہد کا نام کیا ہے؟ 3۔ پہلے مجتہد نے درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے تک کس کی تقلید کی تھی؟ 4۔ تعریف مجتہد میں ایک حدیث یا ایک آیت؟ 5۔ تشخصِ نائب امام کا طریقہ اور اس کا جواز؟ 5۔ اصطلاحاتِ حدیث کس نے بنائے؟۔ آخر میں آپ سے پھر ایک مرتبہ کہونگا کہ یہ اخبار بازی چھوڑیں کتابیں پڑھیں یا پھر آکر بات کریں اور اگر جواب دینے کی خواہش پیدا ہوئی تو جوابات قرآن اور احادیث کی روشنی میں دیں نہ کہ ظن، قیاس سے کام لیں۔ بضمن اوم آپ کی ہماری گفتگو کا آغاز ہوا آپ ذاتیات میں الجھ گئے اور آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ عقل کے ناخن لیں نہ اپنی جہالت کو مزید آشکارہ کریں۔ آپ کی تحریر خود ترجمانی کر رہی ہے کہ میرے نوک قلم نے آپ کے دل پر کتنے کاری ضربات پہنچائے ہیں یہ آپ کا کہنا ہے جو کہ آپ کی خوش فہمی ہے کہ میرے قلم سے کاری ضرب تو کجا خراش تک نہیں آئی۔ آپ کی تحریر کا ایک ایک لفظ خود ترجمانی کر رہا ہے کہ آپ کو بڑے گہرے زخم ہیں جس کا اندمال ناممکن ہے۔

فقط

آغا نصر اللہ عابد

اہم نوٹ! اوم اور علیؑ کے عنوان پر سرکار ریاض الملت مجدد مذہب اخباریت (حق) مولانا سید ریاض الدین حیدر جعفری اعلی اللہ مقامہ کی تحقیق جو سن 1965ء میں چھپی تھی ملاحظہ فرمائیں۔

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

عقل مندوں اور دانشمندوں نے کس قدر پتہ کی بات کہی ہے کہ کسی کے جہل کو ثابت کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ خود سر چڑھ کر بولتا ہے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ کا نہج البلاغہ میں قول ہے کہ ’’آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے ۔‘‘ چنانچہ بقولِ حضرت علیؑ آپ نے جب زبان کھولی آپ کا ایمان اور اسلام ظاہر ہوگیا ۔ آپ کو نہ اسلام معلوم ہے اور نہ مسلمانوں خصوصاً شیعہ اثنائے عشری کے معتقدات کا علم ہے ۔ چنانچہ آپ نے بلا سمجھے بوجھے کہہ دیا کہ آپ اصولی معتزلی اور قادیانی ہیں ۔ یہ کس قدر مضحکہ خیز الزام اور بے وزن دلیل ہے کہ قادیانی ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں اور آپ بھی ختم امامت کے قائل نہیں ہیں ۔ آپ دلیل دیتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ آپ کے پاس دیگر آیات اللہ کو بھی ان ہی کے ہم رتبہ جانتے ہیں ۔

جہل کی انتہا دیکھیں کہ نہ معتزلیوں کے اعتقادات پتہ ہیں اور نہ ہی قادیانیوں اور اصولیوں کے معتقدات کا علم ہے ۔ حالتِ طیش میں ہذیان بکے جارہے ہیں ۔ ہم شیعہ اثناعشری ہیں چنانچہ ہم صرف اور صرف بارہ اماموں کو مانتے ہیں ۔ اس کے علاوہ کوئی امام نہیں مانتے ۔ یہ نص سے ثابت ہے کہ ہر امام منصوص من اللہ ہوتا ہے ۔ باقی لوگوں کو جو امام کا لقب دیا جاتا ہے وہ عمومی اور محدود معنوں میں ہوتا ہے اور یہ من جانب قوم ٗ ملت اور ہم مشربوں کے ہوتا ہے جیسے علامہ اقبال کو ’امام الہند‘ یا ابوالکلام آزاد کو ’امام الکلام‘ کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح حضرت امام خمینیؒ کو بھی امام کہا جاتا ہے نہ یہ کہ انہیں امام مانا جاتا ہے ۔ یہاں امام کا مقصد صرف رہبر کا ہے ۔ تسبیح کے دانوں میں بھی امام ہوتا ہے کیا آپ اس امام کو بھی نعوذ باللہ معصوم کے ہم رتبہ خیال کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر امام خمینیؒ کے تعلق سے یہ ظنِ قبیح کیوں؟ اس سے آپ کی مجتہدین سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے ۔

حضورِ اکرمؐ سے روایت ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ علماء سے گریز کریں گے جس طرح بھیڑیں (بکریاں) شیر سے بھاگتی ہیں ۔ اس وقت خداوند تعالیٰ ان کو تین بلاؤں میں مبتلا کردے گا ۔ ایک ان کے مالوں سے برکت جاتی رہے گی ٗ دوسرے ان پر جابر و ظالم کو مسلط کردے گا تیسرے وہ دنیا سے بغیر ایمان کے جائیں گے ۔ (بحوالہ حیات القلوب جلد دوم صفحہ 595) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ (اُردو ترجمہ)

چنانچہ آج ہم علماء سے دوری اختیار کرنے اور ان سے بغض و عناد رکھنے کے سنگین نتائج دیکھ رہے ہیں ۔ یہ علماء دشمن لوگ علم و عمل سے عاری ہوچکے ہیں اور ان کے اعتقادات میں بھی کجی آچکی ہے جس کی منہ بولتی تصویر خود آپکی ذات گرامی ہے ۔ علماء سے بیزار لوگ کسی علمی نکتہ کو درک کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوچکے ہیں اور اپنے مرتبہ سے گرچکے ہیں ۔ اب ایسے لوگوں کا شمار اشرف المخلوقات میں نہیں بلکہ بہائم میں ہونے لگا ہے اور وہ مذکورہ بالا تینوں طرح کے عذاب میں مبتلا ہوچکے ہیں ۔ ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں ہورہی ہے ۔

یہ جامع الشرائط علماء کی دینی پناہ سے بھاگ کر ایسے لوگوں کی صحبت میں گرفتار ہوچکے ہیں جو جامع الشرارت ہیں ٗ مفسدِ اکبر ہیں سب سے بڑھکر ابوجہل ہیں چنانچہ جامع الشرائط عالموں کو گالی دینا ان کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے ۔ مجتہدین کے فتوؤں کی غلط تاویل کرنا اسے جذباتی رخ دیکر سادہ لوح مومنین کو گمراہ کرنا اور ورغلانہ اور ان سے متنفر کرنا ان کا شعار بن چکا ہے ۔ حالانکہ اگر اسلام میں اجتہاد نہ ہوتا تو ایک مومن کیلئے اسلام کے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گذارنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہوجاتا ۔ زندگی پر ایسا جمود طاری ہوجاتا کہ مسلمانوں کی حیات مفلوج ہوکر رہ جاتی ۔ اجتہاد زندگی کیلئے دینی حرارت پیدا کرنے کا وسیلہ ہے ۔

اجتہاد: اس لفظ کا استعمال پہلی مرتبہ احادیث نبوی میں ہوا ہے ۔ پھر مسلمانوں میں اس کا رواج ہوگیا ۔ قرآن میں لفظ اجتہاد استعمال نہیں ہوا ہے لیکن معنوی اعتبار سے مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ قرآن میں معنوی اعتبار سے اس کا مترادف لفظ تفقہ آیا ہے ۔ یہ لفظ تمام تر صراحت کے ساتھ قرآن میں مستعمل ہوا ہے ۔ تفقہ کا مطلب دین کی گہری فہم حاصل کرنا ہے ۔ ہمارے تمام عقائد جن پر ہمیں ایمان لانا ہے انہیں عقل کی کسوٹی پر کس کر ماننا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات پر دین کا اطلاق نہیں ہوتا ۔ وہ ایمان لانے اور عبادات بجالانے پر مکلّف نہیں ہیں ۔ ان پر شریعت کا کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان لانے سے قبل مقررہ اصولِ دین کی گہری فہم کو لازمی قرار دیا گیا ہے ۔ ایمان کا عرفان درک کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ ایک عارف کی دو رکعت نماز ایک غافل کی ہزاروں رکعت نماز سے افضل ہوتی ہے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی ایک ضربت کو اللہ تعالیٰ نے ثقلین کی عبادتوں سے افضل قرار دیا ہے ۔

جب کسی مسلمان کا دینی فہم اور علم درجۂ کمال کو پہونچتا ہے اور وہ قرآن ٗ حدیث ٗ سیرت اور دیگر اسنادات سے کما حقہٗ واقف ہوجاتا ہے تو اجتہاد کرنے کے قابل ہوجاتا ہے ۔ چنانچہ اجتہاد کو اسلام میں قوت محرکہ کہا گیا ہے جو بالکل درست اور صحیح ہے ۔ مشہور دینی عالم و فلسفی ابن سینا نے بڑی روشن فکری کے ساتھ اجتہاد کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے ۔ ابن سینا کہتے ہیں کہ اسلامی کلیات یعنی اصولِ دین اور فروع دین مستقل ٗ غیر متغیر اور محدود (مقررہ) ہیں ۔ ان میں کسی قسم کی تحریف ٗ تبدل اور کمی و بیشی ہرگز نہیں ہوسکتی ہے لیکن حوادث و مسائل غیر محدود اور مسلسل بدلنے والے ہیں ۔ یہ متغیر ہوتے ہیں یہ حالات اور زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں جسکی وجہ سے ایک عامل مسلمان کو زندگی گذارنے میں مسلسل دشواریاں لاحق ہوتی رہتی ہیں ۔ ان حالات میں کسی مسلمان اور مومن کو شرعی حدود کو پھلانگنے کی کسی صورت اجازت نہیں ہے ۔ ہر حال میں اسے اپنے دینی محور سے ہٹنے کی چھوٹ قطعی نہیں ملتی ۔ حالات لاکھ بدل جائیں ، زمانہ کتنا ہی تبدیل کیوں نہ ہوجائے ایک مسلمان کو ہر حال میں مسلمان ہی رہنا پڑتا ہے ۔ حدودِ شرعی میں رہتے ہوئے دین سے مطابقت پیدا کرنا لازمی ذمہ

داری ہوتی ہے ورنہ کفروشرک کیلئے اس کے دروازے ہمیشہ وا رہتے ہیں ۔ ہر دور اور زمانہ مخصوص تقاضوں اور خصوصی مسائل کا حامل ہوتا ہے ۔(جاری....)

☆☆☆

کفار سے مشابہت کی مذمت ایمان کی عظمت

(قسط دوم کا سلسلہ)

سید علی حیدر رضوی (ایم ۔اے عثمانیہ)

ایک اور اعتراض یہ بھی ہے کہ جامع الشرائط عالم کی پیروی کے لئے اور اس کی تقلید کے لئے میں نے کوئی سند نہیں پیش کی ۔ان کے اس جواب کے لئے میں چند اسناد پیش کر رہا ہوں بشرطیکہ وہ اسے قبول کریں اور مرغ کی ایک ٹانگ کی مصداق اپنی ہی کٹ حجتی پر قائم نہ رہیں ۔کیونکہ صاحب علم افراد کی روش ہوتی ہے کہ جو ثابت ہو جائے عقل، نقل اور دلیل سے اسے قبول کرلینگے، ورنہ اسے رد کردینگے ۔تقاضۂ علمی بھی یہی ہونا چاہیئے ۔سورۂ عنکبوت کی آیت ہے ۔''جن لوگوں نے ہمارے بارے میں کوشش کی (اجتہاد کیا) ہے ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف ہدایت کرینگے ۔''

حضرت امام حسن عسکریؑ کا ارشاد عالی ہے کہ ''عوام کیلئے ضروری ہے کہ فقہا یعنی احکام شریعت تفصیل وتحقیق کیساتھ جاننے والوں میں سے جو اپنے دین کی حفاظت کرنیوالا ہو اپنی نفسانی خواہشات کا تابع نہ ہو اور اپنے خدا ورسولؐ کا فرمابردار ہو اس کی تقلید کریں''۔

امام زمانہ حضرت حجۃ العصر (عج) کا ارشاد گرامی ہے کہ ''زمانہ غیبت کبریٰ میں پیش آنے والے حالات کے سلسلے میں ہمارے حدیثوں کو بیان کرنے والے علماء کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں اللہ کی جانب سے ان پر حجت ہوں ۔''ائمہ معصومینؑ کے ان ارشادات کی روشنی میں ان تمام لوگوں پر جو درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہیں جامع الشرائط مجتہد کی تقلید واجب ہے ۔اس کے بغیر ان کی عبادات اور ایسے تمام اعمال جن میں تقلید ضروری ہے باطل ہونگے ۔

آیئے اب ذرا خود اخباریت کا دعویٰ کرنے والے جناب ریاض الدین حیدر جعفری مرحوم کی تحریرات کا جائزہ لیں جسے خود انہوں نے اپنے قلم سے رقم کیا ہے ۔جناب ریاض الدین حیدر صاحب قبلہ مرحوم اپنی جمع کردہ احادیث کے رسالے ''حدیقۃ العلم'' شائع کردہ 1377ھ کے صفحہ 14 پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: **قال من علامات مومن الفقة الحلمه وتصيمت الفقه** (عالم دین) کی علامتوں میں سے بردباری وخاموشی بھی علامت ہے ۔'' صفحہ 10 پر درج کرتے ہیں کہ ''مسائل شرعیہ کا منکر اور ان کا مذاق اڑانے والا اور سبک کرنے والا مرتد ہوجاتا ہے ۔''

''سراج الایمان'' مؤلفہ ومترجمہ سید ریاض الدین حیدر مطبوعہ 1339ھ صفحہ 5 پر رقم طراز ہیں کہ ''مذہب حقہ کے برحق محافظین کے بعد علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل کے صحیح مصداق علماء کرام ومجتہدین عظام نے نہایت ہی دیانتداری کے ساتھ خطرات ومہالک کا شکار ہونے باوصف صحیح اصول وفروغ کو ہم تک پہنچادیا ۔مقررہ اصول دین میں اگر آج کوئی جدید بات پیش کرے یا توحید کا مفہوم برباد کردے یا عصمت مطلقہ کا حامل ایک لامتناہی تعداد کو تسلیم کرے یا مسلمات مذہب کے خلاف انوکھی باتیں عوام پر وارد کرے تو عقلمند افراد کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔جہالت کے ساتھ مجتہدین کے خلاف گفتگو اور شخصی اختلافات کے باعث خواہ مخواہ کسی کی اچھی بات کو بُرا بنا کر پیش کرنا یا کسی پر تہمت لگانا مثل مرض متعدی کے عام ہوگیا ہے ۔خدارا چونکئے اور آل محمدؐ کی سیرت کو ہمیشہ سامنے رکھیئے ۔''صفحہ 12 پر نقل کرتے ہیں ''تقلید اعلم واجب ہے ۔بغیر اس کے کوئی علم قابل قبول نہیں ہوتا ۔''

صفحہ 16 ارشادات جناب امیر المومنینؑ صفحہ 5 پر ہے ۔**سادات الامة الفقها** امت کے کچھ سردار علماء وفقہا ہیں ۔ایک اور کتاب جو جناب ریاض الدین حیدر ہی کی مؤلفہ ہے جس کا نام ہے ''سراج الاسلام'' جس کی اشاعت 1378ھ میں عمل میں آئی اس کے صفحہ 9 پر لکھتے ہیں کہ ''**من حفظ علی امتی اربعین حدیثا، کسب الله له یوم القیامة فقها** یعنی میری امت میں سے جو شخص چالیس احادیث یاد کرلے یا لکھ لے تو خداوند کریم بروز حشر اس کا نام علماء، فقہا کی فہرست میں درج کریگا ۔''اس کے علاوہ ریاض الدین حیدر جعفری کی چند اور کاوشوں

کا ذکر یہاں ضروری سمجھتا ہوں جس سے ان کی جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کرنا واضح ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد میں انہوں نے انحراف کیا، جس کی وجوہات دینی نہیں بلکہ شخصی تھیں۔ علماء سے بغض وعناد انہوں نے غیر ضروری محبت دنیا میں پیدا کرلیا۔ جناب سید ریاض الدین حیدر جعفری نے چند سوالات مورخہ 28 جنوری 1969 مطابق 8 ذیقعدۃ الحرام 1388ھ میں سرکار محسن الحکیم اعلی اللہ مقامہ سے بذریعہ خط کیے تھے جس کے حوالہ جات خود ان کی تحریر کردہ کتاب ''اصول شیعہ'' میں موجود ہیں جسے حیدرآباد کی سیرت الزہراؑ کمیٹی مدینہ بلڈنگ نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ اس کے صفحہ اول پر یوں تحریر ہے ''برائے ایصال ثواب بروح پرفتوح حجۃ الاسلام نائب امام الحاج آقاء سید حسین بروجردیؒ''۔ صفحہ 2 پر اس کتاب میں ''جن عقائد کا ذکر کیا ہے، ان پر بحیثیت فرد شیعہ کے میں پیدا ہوا ہوں اور اسی پر قائم ہوں اور انشاء اللہ....... ان ہی عقائد کے ساتھ دنیا سے اٹھوں گا۔''

صفحہ 4 پر رقم ہے غیبت صغریٰ 339ھ تک تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امامؑ کی جانب سے بذریعہ نائب شیعوں تک شریعت کے احکام پہنچتے رہے اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوئی۔ اب ظہور تک شیعوں پر تقلید لازم ہے۔ صفحہ 5 پر رقم طراز ہیں، تقلید ساری دنیا میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے متقی مرد مومن مجتہد کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا ہے۔ تمام عوام پر واجب ہے، اسی کو تقلید کہتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ تقلید کرنے والے کو مقلد کہتے ہیں۔ مراسلہ نگار نے مجھ سے تقلید اور جامع الشرائط مجتہد کی تقلید کے متعلق جواز کو کوئی حوالہ یا سند کے ذریعہ دلیل مانگی تھی میں نے اس چھوٹے سے معترضہ جملہ پر تمام اسناد پیش کردی ہیں۔ سب سے بڑھ کر خود ان کے ماواء وملجاء جناب سید ریاض الدین حیدر جعفری کی کتابوں سے بھی اسناد دے دی ہیں۔ وہ ملاحظہ کرلیں اور اپنے استاذ زادہ کو بھی مطلع کردیں تا کہ عقائد میں آئی ہوئی کجی دور ہوجائے اور صحیح اسلام کی راہ مل جائے۔ امید ہے کہ انہیں خاموش کرنے کے لئے یہ تفصیل اور حوالہ جات کافی اور وافی ہونگے۔ قرآن کے بعد ہمارے دینی تعلیم کا بڑا سرچشمہ احادیث رسول اکرمؐ ہیں۔ حدیث کا مضمون اگر قرآن کے خلاف ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ احادیث کی تدوین کا سلسلہ حضرت امام باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانے سے شروع ہوا۔ آپؑ کے زمانے میں چار سو کتب احادیث لکھی گئیں جو ''اصول اربعمأۃ'' کہلاتی ہیں، ان کتب کی مدد سے کتب اربعہ، (اصول کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، استبصار، اورتہذیب) لکھی گئیں۔

عالم کی پیروی کے متعلق غیر ضروری اعتراضات سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ کاش ایسے جاہلانہ سوالات کرنے والے اپنے محلے کے چبوتروں پر بیٹھ کر فضول کی بکواس کرنے اور مٹر غشیاں کرنے کے بجائے تھوڑا وقت کتب خانے میں حصول دین کی نیت سے گذاریں اور اپنے دینی ماخذوں کو پڑھیں تو انہیں مذہب ائمہ اثنا عشرؑ کے بارے میں معلومات حاصل ہوجائینگی۔ شرک وکفر کی موت مرنے سے چھٹکارہ نصیب ہوجائیگا۔ آخرت سنور جائیگی۔ مراسلہ نگار نے اپنے جہل کا ایک اور ثبوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن، حدیث عقل اور اجماع کے ذریعہ سے جو دین حاصل ہوتا ہے وہ دراصل دین اسلام نہیں ہے۔ بلکہ ظن پر مبنی دین ہے۔ نعوذ باللہ ان کا یہ ایقان مذہب اثنا عشری پر بہتان ہے۔ نری جہالت ہے۔ ظن پر مبنی مذہب احناف کا تو ہوسکتا ہے لیکن غلامان احمد مختار اور شیعیان علیؑ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہمارا دین ٹھوس حقائق پر منحصر ہے۔ ہمارے سامنے قرآن کی حقانیت رسول اکرمؐ کی احایث ائمہ معصومینؑ کے ارشادات اور عقل سلیم کی نعمت ہے۔ ان ہی بنیادوں پر ہمارے علماء نتائج اخذ کرتے ہیں جس پر دیگر علماء کی رائے مطابقت میں ہوتی ہے۔ اسے ہی اجماع کہا جاتا ہے۔ یہ اجماع سقیفہ بنی ساعدہ سے مختلف ہے۔ علماء کی یہ رائے فتوٰی قرار پاتی ہے۔

☆☆☆

بجواب: کفار سے مشابہت کی مذمت ایمان کی عظمت

(قسط دوم)

آغا نصر اللہ عابد (اخباری)

مراسلہ نگار سید علی حیدر رضوی۔ ایم اے عثمانیہ نے جامع الشرائط عالم کی پیروی کیلئے جو سند پیش کی ہے اس میں سورہ عنکبوت کی آیت کا ترجمہ پیش کیا اس میں پھر آپ نے اجتہاد کیا ہے لکھتے ہیں ''جن لوگوں نے ہمارے بارے میں کوشش کی (اجتہاد کیا) ہے ہم ان کو اپنے راستوں کی طرف ہدایت کریں گے''۔ بلکہ ترجمہ میں یہ ہے ''اور جو ہمارے (دین کے) بارے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھلائیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ہے'' اس آیت کے ترجمہ میں علی حیدر رضوی نے اپنے مسلک کے ناپاک اجتہاد کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں اس آیت کی تفسیر صافی میں ہے کہ ''جاھدوا فینا'' کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے ظاہری اور باطنی دشمنوں سے ہمارے حق کے بارے میں جھگڑتے رہیں ہیں۔ اور ''لنھدینھم سبلنا'' کے یہ معنی ہے کہ پروردگار عالم ان جھگڑنے والوں کو بے وجہہ ہماری طرفداری کے ہم تک پہنچا دے گا۔ اس تفسیر کی روشنی میں خداوند عالم ان کی طرفداری کرنے والا ہے جو حق معصومؑ کی طرفداری کرے حق معصومؑ کیا ہے؟ امامت انکا حق ہے جو انکے حق کو غصب کرے یعنی خود ساختہ نائب امام بن بیٹھے ہیں۔ بطور دلیل سورہ عنکبوت کی آیت نمبر 25 معہ تفسیر ملاحظہ فرمائیں'' اور انہوں نے یہ فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر زندگانی دنیا میں آپسی محبت کے لحاظ سے بتوں کو مان لیا۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کو کافر بناؤ گے اور تم میں کا ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔'' تفسیر صافی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار سے خطاب ہے کہ تم ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہو گے یا جن بتوں کی تم پوجا کرتے تھے ان کو تم برا کہو گے اور

وہ تم کو بُرا کہیں گے۔ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ سوائے ہمارے شیعوں کے اور جتنے فرقے ہیں انہوں نے دنیا میں جس کو امام بنایا ہوگا قیامت کے دن اس شان سے آئیں گے کہ امام صاحب تو مقتدیوں پر لعنت کرتے ہوں گے اور مقتدی امام صاحب پر۔ اس تفسیر معصومؑ اور آیت میں بت کا استعمال ان کے لئے کیا گیا ہے جو دنیا میں امام بنا کے جس کی پوجا کرتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف اہل ہنود بت پرست ہیں بلکہ اصولی مسلک کے پیرو بھی بت پرست ہیں اب یہ بتائیں جس کی پوجا کرتے ہیں کفار سے مشابہت کس کی ہو رہی ہے؟ لفظ اوم لکھنے والے کی کفار سے مشابہت نہیں ہو رہی ہے بلکہ بنص قرآنی مراسلہ نگار خود کفار سے مشابہ ثابت ہو چکا اور شیعہ پس وہی ہے جو امام نہیں بناتا شیعوں میں دو فرقے بتائے جا رہے ہیں۔ (1) اخباری (2) اصولی۔ اخباریوں کے یہاں سلسلہ امام بارہ امام جو مقرر کردۂ خدا ہے اس پر رک چکا ہے جس کی بنیاد پر اثناء عشر۔ اب رہا دوسرا فرقہ اصولی جو بظاہر دعوائے شیعیت تو کر رہا ہے مگر عنداللہ وعندالمعصومینؑ اسی آیت کی روشنی میں مسلمان تو کجا غیر کلمہ گو قرار پاتے ہیں۔ جس طرح سے راقم الحروف نے کل یعنی 23 جولائی کے مراسلہ میں ایڈیٹر کے نام جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں اصولی المسلک کے پیرو کو قادیانی فرقہ کے مشابہ قرار دیا تھا جس کا ثبوت یہی ہے کہ شیعوں کے یہاں سلسلۂ امامت بارہ آئمہ پر رک چکا ہے اور اصولیوں کے پاس سلسلۂ امامت جاری ہے جس طرح قادیانیوں کے یہاں سلسلۂ نبوت۔ جس کا ثبوت علی حیدر اور ان کے ماوا وملجا رہبر انقلاب اسلامی امام امت حضرت امام خمینی۔ (بحوالہ توضیع المسائل)

امام الکلام الامام حضرت امام حسن عسکریؑ کی حدیث تحریر کرتے ہوئے اس میں جو آپ نے اضافت کی ہے یہی آپ حضرات کا اجتہاد ہے جس کی ہم ہمہ وقت مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ میں نے یہ تحریر کیا امام کا کلام امام الکلام ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی دخل اندازی کوئی حلال زادہ برداشت نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ آپ نے حدیث میں لکھا ہے فقیہ یعنی احکام شریعت تفصیل وتحقیق کے ساتھ جاننے والوں میں سے۔۔۔۔الخ

حدیث میں یہ تین لفظ ہیں ''احکام شریعت و تحقیق''۔ یہ صرف اور صرف آپ اپنے مجتہدین کی تقلید کو ثابت کرنے کیلئے بڑھا دیئے ہیں۔ ارشاد معصومؑ ہے کہ فقیہ پس وہی ہے جو محدث ہے جب فقیہ موجود نہ ہو تو شعیوں کی جو چار کتابیں ہیں جس میں سے ایک کتاب کا نام سرکار شیخ صدوقؒ نے ''من لا یحضرہ الفقیہ'' رکھا ہے جب ایسا فقیہ جس کے صفات کا ذکر گیارہویں امامؑ نے اپنی حدیث میں کیا ہے نہ ملنے کی صورت میں یہ کتاب شیعوں کیلئے بہت کافی ہے۔ جو شیعہ ہے وہ ان کتابوں پر عمل کرے گا اور جو شیعہ نہیں ہے وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کے عملیہ پر عمل کرے گا۔ علی حیدر رضوی نے جو توقیع امام زمانہ (عج) پیش کی اس میں خود امام (عج) واضح طور پر فرما چکے ہیں کہ ہماری احادیث بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس توقیع امام زمانہ عج کی روشنی میں آپ کے درجۂ اجتہاد کھلتا ہے حدیث میں ہے کہ خداوند عالم جب کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اس پر باب علم بند کر دیتا ہے۔

جب آپ توقیع کا حوالہ دیئے ہیں مجھے بھی ایک توقیع امام زمانہ (عج) توقیع غیبت کبریٰ کے زمانے میں جو کوئی ہماری نیابت کا دعویٰ کر رہا ہے اس پر ہماری انبیاء کی ملائکہ کی مسلسل لعنت ہے علی حیدر تم نے 23 جولائی 2011ء کے روزنامہ صدائے حسینی میں یہ لکھا تھا کہ سرکار ریاض الملت اعلیٰ اللہ مقامہ کا ایک علمی کارنامہ بھی بیان نہ کر سکے۔ خداوند عالم تمہارے ہی قلم سے سرکار ریاض الملت اعلیٰ اللہ مقامہ کے کئی ایک رسالوں کے حوالے لکھوادیا۔ جو حوالے آپ نے تحریر کیئے ہیں اس کے ضمن میں صرف اتنا کہنا جہاں جہاں بھی سرکار نے حدیث لکھی ہے وہاں پر عالم کا ذکر ہے عالم کی فضیلت میں حدیث ہے نہ کہ ظنی مجتہد جس کے مرتے ہی اس کا دیا ہوا فتویٰ مرجاتا ہے۔ آج تک ہم یہ سنتے آئے ہیں کہ قائل کی موت ہے قول کی نہیں بڑا عجیب وغریب مضحکہ خیز تمہارا مجتہد ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ بتانا چاہتا ہوں میں نے جو بھی سوالات کیئے تھے اس کے جوابات قرآن اور حدیث کی روشنی میں طلب کیئے یہ سوالات باقی ہیں۔ مفتی کے مرجانے سے اس کے دیئے ہوئے فتوے مرجاتے ہیں۔ پہلے مجتہد کا نام؟ پہلے مجتہد نے درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے تک کس کی تقلید کی تھی؟ تعریف مجتہد میں ایک حدیث یا ایک آیت؟ تشخص نائب امام کا طریقہ اور اس کا جواز؟ اصطلاحات حدیث کس کی بنائی ہوئی ہیں؟ مندرجہ سوالات کے جوابات دینے کی بجائے آپ کنویں کے مینڈک کی طرح ادھر اُدھر ٹرٹراتے پھر رہے ہیں سچ ہے حمار کتابوں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے مگر کتاب میں کیا ہے وہ نہیں بتا سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ میں کچھ سوچ سمجھ کر آپ سے سوالات نہیں کر رہا تھا۔ آپ کی خواہش کی بنیاد پر میں آپ سے سوالات کیا جس کے جوابات جواب طلب ہیں۔ میں کسی عالم کا جواب نہیں مانگ رہا تھا بلکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب مانگ رہا ہوں۔ برخلاف اس کے آپ سرکار ریاض الملت کی کتاب کے حوالے دے رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود سرکار ریاض الملت کے مقلد ہیں اور اپنے مقلد کا نام بے ادبی سے لے رہے ہیں باادب بانصیب بے ادب بے نصیب سرکار ریاض الملت کے اعلان اخباریت کے بعد کوئی ایسا کتابچہ یا مراسلہ یا تقریر بتائیں جس میں سرکار نے اجتہاد کی تائید کی۔ یہ اسوقت کی باتیں ہیں جسوقت کہ آپ کے مجتہدین عالم دوراں نے دعوائے ولایت ولی امر ملسمین نہیں کیا تھا۔ کسی مجتہد نے اسوقت یہ نہیں لکھا تھا کہ علیا ولی اللہ اذان میں لینے سے اذان ونماز باطل ہوجاتی ہے۔ جب شریعت میں مداخلت کرتے ہوئے آپ کے مجتہدین نے علیا ولیا اللہ اور خونی ماتم کے خلاف فتوے جاری کیئے تو اس وقت سرکار ریاض الملت نے بر سر منبر نہ صرف ان ناپاک فتووں کی مخالفت کی بلکہ مومنین تک صدائے حق یہ کہتے ہوئے پہنچادیا کہ اُصولی فرقہ ہے اور اخباری فرقہ ان فتووں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ جس وقت اخبار پر نظر پڑی تو نہ صرف اس میں سرکار ریاض الملت کے کتابوں کے حوالہ جات بلکہ ایک فوٹو بھی شائع کی گئی ہے۔ بے ساختہ میرے ذہن میں بات پیدا ہوئی کہ اگر یہ مراسلہ نگار اور فوٹو شائع کرنے والا سن 61 ہجری میں میدان کربلا میں ہوتا تو حضرت حرؑ کی فوٹو اور گفتگو اسی وقت کی شائع کرتا جبکہ حر لشکر یزید میں تھے۔ ہر چند کہ طریقہ ہے کہ جب کوئی باطل کی طرف سے حق کی

طرف لوٹ آئے تو اسوقت کی باتیں نہیں دہراتا جب باطل پر تھا۔

☆☆☆

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

ہر دور اور زمانہ مخصوص تقاضوں اور خصوصی مسائل کا حامل ہوتا ہے چنانچہ ان ادوار اور زمانوں میں فطری طور پر ایسے افراد کی ضرورت درکار ہوتی ہے جو اسلامی علوم کے ماہر ہوں۔ کلیاتِ اسلامی سے اچھی طرح واقف ہوں جن کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے وہ جدید مسائل کے حل کیلئے ان سے مشورہ طلب کریں اور انکی دی ہوئی رائے پر جسے شرعی اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں عمل کر سکیں۔ جدید تقاضے عامل مسلمان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسلامی راہ سے ہٹے بغیر اپنے دین کو برقرار رکھتے ہوئے ان مسائل سے نمٹ سکیں، ورنہ اسلامی قیود اور پابندیاں اسے پریشان کردیں گی اور وہ دین سے بیزار ہوکر منحرف ہونے لگیں گے جس طرح مغربی لوگ اپنے دین سے بیزار ہوکر بے دین ہو چکے ہیں۔ عوام کو دین سے جوڑے رکھنے اور ان کے مسائل کو اسلامی احکام کی روشنی میں حل کرنے کیلئے علماء فقہاء اور جامع الشرائط مجتہدین قرآن، حدیث، ارشادِ ائمہ معصومینؑ کی روشنی میں عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے اجتہاد کرتے ہیں۔ ان کا اجتہاد جسے شرعی زبان میں فتویٰ کہتے ہیں مذکورہ بالا ماخذوں سے استنباط کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ کوئی تخیلی پرواز یا اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر نہیں ہوتا جیسا کہ حیدرآباد کے خود ساختہ اخباری خیال کرتے ہیں۔ ایسے ہوائی تیر وہی چلا سکتے ہیں جنہیں قرآن، احادیث، ارشاداتِ ائمہؑ کا علم نہیں ہوتا اور عقل سلیم بھی ندارد ہوتی ہے جس کا مظاہرہ ہمیں تین شعبان کو جشنِ امام حسینؑ کے موقع پر حضرت علیؑ کو نعوذ باللہ ''اوم'' کہہ کر معنون کرنے پر ہوا۔ اس تخیلی تیر کا ماخذ کیا ہے کسی ادنیٰ طالب علم سے لے کر اعلمِ دوراں کو بھی نہیں ہے۔ ایسے اجتہاد کو باطل کہا گیا ہے اور ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہا گیا ہے۔ یہ خطائیں بنی امیہ کے تنخواہیہ اور منصب دار علماء کیا کرتے تھے۔ یہی اجتہاد کا دروازہ چند سال کے بعد شرمندگی میں بند کردیا گیا لیکن بحمداللہ ہمارے اجتہاد کا دروازہ ابھی تک کھلا ہوا ہے اور انشاء اللہ تا ظہورِ امام زمانہ عجہ کھلا رہے گا اور مومنین کو مستفید کرتا رہے گا اور اسلام کی آبیاری کرتا رہے گا۔ کبھی جمود طاری ہونے نہیں دے گا۔ اجتہاد کرنے اور فتویٰ جاری کرنے میں عالم باعمل کا کوئی نجی مفاد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نفسانی خواہشات کے غلبہ سے مغلوب ہوکر فتویٰ دیتا ہے۔ یہ مفادِ عامہ کیلئے اس کا علمی تحفہ ہوتا ہے۔ قبول کرنا یا نہ کرنا ضرورت مند مومن کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ قبول کرلینے پر اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے بصورتِ دیگر اس سے مجتہد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ برخلاف جامع الشرائط علماء کے دیگر خود ساختہ علماء جو اجتہاد کرتے ہیں جیسے اوم کے نام کو شریک کرلیا گیا وہ اپنے نجی فائدوں اور نفسانی خواہشات کے تحت کرتے ہیں۔ ان کی یہ جدت انہیں شیطان کی عطا ہوتی ہے۔ ایسوں ہی کے تعلق سے قرآن میں آیت الکرسی میں آیا ہے کہ بعض ایسے ہیں جو ظلمات سے نور کی طرف بلاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو نور سے ظلمات کی طرف اپنے پیروکاروں کو بلاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہیں گے۔ انکی برأت نہیں ہوسکتی۔

شیعہ مجتہدین نے ثابت کردیا ہے کہ اسلامی سر چشموں اور ماخذوں سے زمانے کے انقلاب سے لاحق ہونے والے امراض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے بہترین شفاء بخش نسخہ تجویز کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ نسخہ قرآن، حدیث، ارشاداتِ ائمہؑ اور عقلِ سلیم کا استنبات معلوم ہوتا ہے۔ ان معالجوں کی موجودگی میں کوئی بھی شیعہ مسلمان ترقی اور تکمیل کی مراحل سے گذرتے ہوئے کسی بھی دور میں خواہ کیسے ہی نامساعد حالات کیوں نہ ہوں کامیاب زندگی دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے گذار سکتا ہے۔ وہ ہر دور میں ہر معاشرہ کے ساتھ اپنی دینی شناخت باقی رکھتے ہوئے چل سکتا ہے۔ ہمارے مجتہدین ہمارے مذہب کے تمام پیروکاروں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کیلئے کافی ہیں۔ فی زمانہ چونکہ ہمارے سامنے ہمارے امامؑ موجود نہیں ہیں۔ وہ غیبتِ کبریٰ میں ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ فی الفور ہماری ہدایت اور مدد کیلئے ہمارے درمیان

موجود نہیں ہیں ۔ ایسی صورت میں ہمارے مجتہدین ہماری رہنمائی کیلئے وسیلہ بنتے ہیں ۔ اسی لئے امامِ آخرالزماں عجہ نے غیبتِ کبریٰ میں جانے سے قبل مومنین کو تاکید کردی تھی کہ وہ علماء سے متمسک رہیں اور جامع الشرائط کی تقلید کریں اور جامع الشرارت سے بچیں جو علماء کے بھیس میں ہماے ایمان وعقائد پر ڈاکہ ڈال سکتے ہیں ۔ ہماری گمراہی اور ذلت ورسوائی کا سبب بن سکتے ہیں جیسے تین شعبان کو ہوا۔ ہمیں اغیار کے سامنے ذلیل و خوار ہونا پڑا ۔ نہیں معلوم حضرت علیؑ کو اوم کے نام سے معنون کرنے کی روایت ان نابلدوں نے کہاں سے ڈھونڈ نکالی جب کہ اسلام کے تمام ماخذ اس تعلق سے چپ ہیں ۔ دراصل یہ اسلامی ماخذوں سے عدم وقفیت کا نتیجہ ہے۔ جہالت کی معراج ہے۔

جامع الشرائط علماء ہر زمانے کے مومنین کی رہنمائی کا اعلیٰ وصف رکھتے ہیں ۔ وہ اس بات پر قادر ہیں کہ ہر زمانے کے تقاضوں، ضرورتوں اور مانگوں کے پیشِ نظر مومنین کی صحیح رہنمائی کریں ۔ ان کی ہدایت کریں ۔ یہی علماء مومنین کو اپنے اجتہاد کی بدولت اسلامی حدود میں جینے کی راہ دکھا سکتے ہیں ۔ان ہی مجتہدین کی کاوشوں کی وجہ سے اسلامی فکر پر جمود طاری نہیں ہوا ہے۔ اسلام پر گامزن بھٹکنے نہیں پائے ہیں۔ جن مسلمانوں نے ائمہ معصومینؑ کے محکم در کو چھوڑ دیا انہوں نے اجتہاد کی راہ میں ٹھوکریں کھائیں اور لاتعداد اجتہادی خطائیں کیں بالآخر بابِ اجتہاد کو ندامت سے بند کر دیا۔

اجتہاد اغیار میں تو بند ہو گیا لیکن اہلِ تشیع میں ہنوز غیر مسکر ہے۔ اب خود شیعوں میں ایک ایسا نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جس کا بنیادی عقیدہ علماء بیزاری ہے ۔ یہ خودساختہ فرقہ خودفریبی میں مبتلا ہے اور بغیر علم کے زعمِ علم رکھتا ہے۔ برسرِ منبر جید علماء پر سب وشتم کرتا ہے ۔ان پر بہتان باندھتا ہے ۔حالانکہ ہمارے قابلِ احترام جید اخباری علماء نے جن باتوں کو ہم تک پہنچا دیا ہے اس کا بھی انہیں علم نہیں ۔ دراصل یہ اخباریت کے نام پر درباریت ہے جس کے دربار میں شہر کے تمام جہلا جمع رہتے ہیں اور بے سروپیر کی گفتگو میں مشغول رہتے ہیں ۔ ان کی شب بیداری مغز ماری رہتی ہے ۔ ان کی گفتگو کا ماحصل صرف اور صرف صفر ہوتا ہے۔ ان اخباریوں کا یہ دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے کہ غلام احمد قادیانی یا عبداللہ بہائے نے کیا تھا۔ انہوں نے دعوئے نبوت کیا تھا جب کہ وہ صفاتِ نبوت سے مبرا تھے جب کہ حیدرآباد کے یہ خودساختہ اخباری علم سے عاری ہیں ۔ کاش یہ ائمہ کے در کے علم کے سوالی ہوتے۔ ان افراد نے حیدرآباد میں ایک نیا خودساختہ فرقہ اخباریت کے نام پر بنا ڈالا ہے اور ایسا فتنہ برپا کردیا ہے کہ سادہ لوح مومنین کی آخرت خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ” میری امت تین قسم کی ہے ایک گروہ انبیاء سے مطابقت رکھتا ہے۔ دوسرا ملائکہ سے اور تیسرا بہائم سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ گروہ جو انبیاء سے مشابہ ہے ان کا مشغلہ تسبیح وتہلیل وتکبیر ہے اور جو بہائم سے مشابہ ہے انکی طبیعتوں میں کھانا پینا اور سونا ہے۔ (بحوالہ جامع الاخبار شیخ صدوق علیہ الرحمہ اخباری)

کیا کوئی ایسا خودستائی کا مارا خودساختہ اخباری علمِ لدنی کا مدعی جس کا مشغلہ صرف جبلتی ضرورتوں کو پورا کرنے تک محدود ہو اجتہاد کرسکتا ہے۔ اگر کبھی کسی بے جا زعم میں ایسا کر بیٹھے تو وہ شیعیت کیلئے باعثِ شرمندگی بن جاتا ہے جس کا ثبوت ہمیں حضرت علیؑ کی ذاتِ اقدس کو ”اوم“ کے نام سے معنون کرنے کی جدت سے ہوا۔ نہیں معلوم اس اجتہاد کی اصل انہیں کہاں سے دستیاب ہوئی ۔ نہ قرآن کی کوئی آیت اس پر دلالت کرتی ہے اور نہ ہی کسی امام معصوم کا قول ملتا ہے۔ خود مولائے کائناتؑ نے جہاں نہج البلاغہ میں کئی مقامات پر اپنا اور اہلبیتؑ کا تعارف کرایا ہے اور فضیلتیں بیان کی ہیں وہاں کبھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ مجھے ہند میں ”اوم“ کہتے ہیں ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جنہیں اخباری ہونے پر فخر ہے وہ اپنے اس دعوے میں کوئی حدیث نقل کرتے یا کسی معصوم کا قول پیش کرتے یا کسی آیت کا حوالہ دیتے ۔ زبانی یہ کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے یہ روایت کوکبِ دُری سے لی ہے مگر عدم موجودگی کا خوف اس قدر طاری تھا کہ مراسلہ نگار جناب نصر اللہ عابد اپنے روانہ کردہ مکتوب میں ذکر کرنا بھول گئے ورنہ انہیں حقیقت دکھا دی جاتی۔ جناب نصر اللہ عابد نے صرف اتنا ذکر کرنے پر قناعت کرلی کہ اوم بھگوان نہیں بلکہ اسم ہے۔ میں ان سے ادباً دریافت کرنا چاہوں گا کہ جب یہ اسم ہے تو اس کا مسمیٰ کیا ہے؟ کیونکہ ہر اسم بامسمیٰ ہوتا ہے اور اپنے موصوف کی شناخت ہوتا ہے۔ اسم اس لئے ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ کسی شخص، جانور، جگہ یا چیز کو پہچانا جائے۔ اسی لئے ہر شخص جگہ اور چیز کا نام ہوتا ہے ۔ اسماء کی کئی اقسام ہوتی ہیں جیسے اسمِ شخص، اسمِ آلہ، اسمِ اشارہ، اسمِ تصغیر، اسمِ تکبیر، اسمِ جامد، اسمِ جلالی، اسمِ جمالی، اسمِ اعظم، اسمِ جنس، اسمِ حالیہ، اسمِ ذات وغیرہ وغیرہ۔

اوم اگر اسم ہے تو وہ کونسا اسم ہے؟ میں نے اپنے جواب میں تو یہ کہہ دیا تھا کہ یہ کسی ذات کا اسم نہیں بلکہ ایک فرضی اسم ہے جسے ہندوؤں کے تخیل نے ایجاد کیا ہے ۔ بالفرض محال اگر یہ کوئی مجرد اسم ہے تو اس کی کوئی ذات نہیں ہے۔ پھر یہ ہندوؤں میں جو بت پرست ہیں کیسے پرستش کرتے ہیں؟ اہلِ ہنود کے مذہب میں تو ہر نام کی ایک مورتی ہوتی ہے ۔ اوم کی مورت کیا ہے۔

یہ اسم نہ اسمِ اعظم ہے اور نہ ہی اسم جلالی نہ جمالی اور نہ اسم ذاتی، اور نہ ہی اسم فاعلی، اسم کیفیت ووصف، اگر یہ کچھ ہے تو مراسلہ نگار نصر اللہ عابد اس کی کیفیت وصف ، جلال، جمال، بزرگی، اور قدرت وغیرہ بیان کرتے۔ جبکہ ہمارے مولا وآقا مشکل کشاء ہیں۔ علمی مباحث میں ہوائی تیر نہیں چھوڑے جاسکتے۔ اگر حضرت علیؑ کو اوم کہنا کوئی اجتہاد ہے تو یہ خطائے اجتہادی ہے جس کے موجد بنی امیہ کے تنخواہیہ علماء تھے جن کی علمی بنیاد حرص وطمع اور حکام کی تابعداری تھی، علم نہیں تھا، خوف خدا نہیں تھا بلکہ ائمہ اطہارؑ سے دشمنی ان کا مسلک تھا۔ یہ تو وہ علماء تھے جو اشرفیوں کا تھال دیکھ کر قتل امام حسینؑ کا فتویٰ جاری کرسکتے تھے۔ بقول حضرت علیؑ یہ علماء سوء تھے۔ اب بھی ان کے شاگرد موجود ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ایسا اجتہاد جو در اہلبیتؑ کو چھوڑ کر کیا گیا متروک ہو گیا۔ لیکن شیعیت کا باب اجتہاد اب بھی کھلا ہوا ہے۔ شائد اس مسدود باب کی کنجی اب حیدرآباد کے خودساختہ اخباری المسلک افراد کو مل گئی ہے جسے گھما کر یہ لوگ اُس مسکر باب کو کھولنا چاہتے ہیں۔ کاش یہ کوشش حق کو پہنچانے کے لئے ہوتی۔ علمائے حق کو پہنچانے کیلئے کی جاتی اور معتقدات شیعیت کو جاننے کیلئے ہوتی۔

علمائے حق ،اسلامی معتقدات جانتے ہیں برخلاف اس کے عالم نماءنہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ان پر یہ فارسی معقولہ صادق آتا ہے کہ ’’من چہ می سرائیم وطنبورۂ من چہ می سراید‘‘ یعنی کہ کیا گا رہا ہوں اور میرا طنبورہ کیا سر لگا رہا ہے۔

جناب نصراللہ عابد نے اپنے مراسلہ میں مجھے دعوت دی ہے کہ اس بحث کے لئے بیٹھ کر بات کرلیں گے۔میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ کیا علمی خط وکتابت میں کوئی قباحت ہے؟ کوئی کسر رہ جاتی ہے؟ بلکہ بہتر واحسن طریقہ تو یہی ہے کہ خط وکتابت مضمون وجوابی مضمون نویسی کے ذریعہ حق تک رسائی حاصل کی جائے کیونکہ اس کے ذریعہ قوم کی کثیر تعداد کو بھی اس سے مستفید ہونے کا موقع مل جائیگا اور وہ بھی حق کو پہچان لینگے۔جب آیت اللہ سید شریف الدین موسوی جو علمی مرکز نجف اشرف کے صفحہ اول کے اساتید اور شیخ سلیم البشری شیخ الجامعہ الازہر کے درمیان ہوئی خط وکتابت ومراسلت سے شہرہ آفاق کتاب ’’المراجعات‘‘ مرتب ہوسکتی ہے جس کا اُردو ترجمہ ’’دین حق مذہب اہلبیتؑ‘‘ کے نام سے متعدد بار شائع ہوچکا ہے اور ہمارے درمیان موجود ہے ،تو کیا ہماری خط وکتابت سے ایک بہتر کتاب وجود میں نہیں آسکتی؟ (سلسلہ جاری)

☆☆☆

(مناظرہ)

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

اجتہاد کے متعلق مشہور اسلامی فلسفی اور عالم دوراں ابن سینا کی تشریح کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ شہید ڈاکٹر محمد جواد باہنرؒ کی بحث کو جوانہوں نے اپنی معروف کتاب ’’اسلام دین حکمت‘‘ میں کی ہے جو کراچی پاکستان سے ناشر جامع تعلیمات اسلامی کی جانب سے شائع ہوچکی ہے‘ کی چند سطریں بھی نقل کردوں تاکہ اسی بحث کا تتمہ معلوم ہو کیونکہ تعلیم یافتہ کو حق سمجھنے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ہاں! البتہ ذہن کو اس قدر کند کردیا جائے کہ اونٹ اور اونٹنی میں فرق محسوس نہ ہو تو بات دوسری ہے۔ایسی صورت میں مباحث کو طول دینا اور مراسلت کے سلسلہ کو لامتناہی کرنا دانشمندی نہ ہوگا۔کسی بحث کا مقصد سمجھنا‘ سمجھانا اور حقیقت کو جاننا ہونا چاہیے ورنہ یہ ذہنی عیاشی ہوگی۔ اسلام نے بھی فضول کی بکواس سے منع کیا ہے۔دینی اور دنیاوی اعتبار سے بھی بات چیت ہو کہ خط وکتابت نتیجہ خیز ہونا چاہیے۔ڈاکٹر محمد جواد باہنر اپنی متذکرہ بالا کتاب کے صفحہ 689 پر لکھتے ہیں کہ زمانے کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحیح اسلام کی پہچان کیونکر ہوگی ۔آپ سوال کرتے ہیں کہ صحیح اسلام کی شناخت کیلئے کیا کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب ظاہر ہے کہ قرآن شریف اور جس پر یہ نازل ہوا اور جنہوں نے اسلام لانے کیلئے ہمیں سنایا ہمیں علم سے سرفراز کیا اور احکامِ الٰہی کے مطابق ہماری تربیت کی ان سے رجوع کرنا چاہیے انکی سیرت اور اقوال سے استفادہ کرنا چاہیے۔حقیقت امر یہ ہے کہ ہر کوئی ایسا کرنے سے قاصر ہے ۔اگر وہ عربی سے ناواقف احادیث سے نابلد اور ائمہ کے ارشادات سے ناواقف ہوں تو وہ کیا کرے۔کیسے ماخذوں سے فائدہ اٹھائے ۔ایسی صورت میں عقل سلیم بشرطیکہ ہو تو از خود منطقی طور پر رہنمائی کرتی ہے۔انہیں چاہیے کہ جو قرآن سے استفادہ کی بھر پور صلاحیت رکھتے ہیں اور سنت کے تمام گوشوں سے کماحقہ واقف ہیں ان سے متمسک رہیں اور ان سے کسب علم کریں۔دریافت کریں، یہی تقلید ہے۔

ابتدائی دور اسلام میں بھی یہی روش برقرار تھی۔ جب تک مسلمان تھوڑے تھے اور حدود مکہ میں محدود تھے ان کے روبرو حضور اکرمؐ تھے۔کسی اور سے دریافت کی ضرورت تھی اور نہ حاجت لیکن جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور اسلام مکہ کے حدود سے آگے بڑھ کر مدینہ اور دیگر علاقوں تک پھیل گیا تو مشکلات پیش آنے لگیں کیونکہ ہر جگہ ہر مقام اور ہر شخص کی نجی ضرورتوں کو پورا کرنے حضور اکرمؐ بنفس نفیس تو موجود نہیں ہوسکتے تھے۔ ان کے دینی اشکالات کا ازالہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا۔اسی لئے ذی علم سے دریافت کرنے کا فطری طریقہ ایجاد ہوا۔خود رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ میں بھی اسی طریقہ پر عمل ہوتا تھا۔دور نبی کریمؐ میں بعض دور افتادہ علاقوں میں ایسے بھی افراد تھے جو تبلیغ اور اسلام کا شہرہ سن کر مسلمان ہوچکے تھے، لیکن انہوں نے کبھی رسول اکرمؐ کو کبھی دیکھا نہ تھا، کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی پھر ان میں ایسے مسلمان بھی تھے جن کی زبان عربی نہ تھی۔جن کی تہذیب بھی عربوں سے مختلف تھی۔ان کی مقامی اپنی بولی یا زبان تھی۔ ان کے سامنے اسلامی فرائض بجالانے کا کوئی نمونہ بھی نہ تھا۔ایسی مجبوری کی حالت میں وہ کیا کرتے۔قرآن کو عربی میں ہونے سے انہیں اس کا سمجھنا بھی ناممکن تھا۔ لامحالہ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کی ایسی ہو جو ان نومسلموں اور غیر عربی افراد کو تعلیم دیں انہیں دین سکھائیں یہ ضرورت ابتدائی مرحلہ تک باقی نہیں رہی اس کی ضرورت ہر دور میں ہر وقت رہی ہے۔اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی یقیناً ہوگی ۔کیونکہ اب مکہ، مدینہ یا افریقہ کے شہروں اور دیہات تک محصور نہیں رہا ہے۔اب یہ افریقہ کے جنگلات سے لے کر یوروپ امریکہ اور چین کے شہروں اور مضافات تک پھیل چکا ہے۔یوروپ وامریکہ میں تو مادیت اور شرک وکفر کی زندگی سے لوگ بیزار ہو کر روزانہ لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔انہیں صرف اُصول دین سے واقف کرواکر انہیں خاموش نہیں بیٹھایا جاسکتا ۔وہ عصری

دور کے نومسلم اور مسلمان ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور سٹیلائیٹ دور کے مسلمان ہیں ان کی ضرورتیں محدود نہیں ہیں۔ وہ بے شمار وسائل کے حامل ہیں۔ ان وسائل کو ترک کر کے چودہ سو سالہ قدیم دور کی زندگی نہیں گزار سکتے۔ وہ مسلمانوں سے اپنے عصری آلات کے استعمال اور ان کے جائز استعمال کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ حرام اور حلال ہونے کے جواز کو طلب کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں انہیں حق بتانے کی ذمہ داری کون پوری کرے لازمی ہے کہ کوئی مجتہد ہو اور انہیں حق بتائے۔ ورنہ اسلام پر جمود طاری ہو جائیگا۔ اسلام ایک ایسا دین بن جائیگا جو عصری اور جدید دور سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ یہ ایک از کار رفتہ مذہب بن کر رہ جائیگا۔ جس طرح دیگر ادیان اپنی قدامت اور جدید مسائل کا حل پیش نہ کرنے کے سبب معدوم ہوگئے اور اس کے ماننے والے اُسے چھوڑ کر لادین ہوگئے اسلام بھی ان میں سے ایک ہو جاتا۔ یا پھر جاہل مسلمان جو قرآن اور حدیث اور سیرت سے پوری طرح واقف نہ ہوتے وہ اپنی تخیلی دنیا میں رہ کر دین کے احکام کی تشریح کرتے، آیات قرآنی کی تاویلات کرتے اور احادیث کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے اور اسلام بھی یہودیت ونصرانیت کی طرح مسخ ہو جاتا۔ (قرآن)

میں نے دو اصطلاحیں مجتہد جامع الشرائط اور جامع الشرارت لکھی تھیں۔ ایک اصطلاح جامع الشرائط قدیم اور منجانب ائمہؑ سے چلی آرہی ہے کیونکہ ہمارے جتنے بھی جید علماء گزرے ہیں خواہ وہ اخباری ہوں کہ اُصولی وہ جامع الشرائط گزرے ہیں جن کا تقویٰ اور پرہیزگاری ایسی تھی کہ لوگوں کو گمان گزرتا تھا کہ معاذ اللہ یہ امام آخر الزمان تو نہیں ہیں جبکہ وہ عام انسان تھے لیکن علم اور تقوے نے انہیں ایسی منزل پر فائز کر دیا کہ لوگ شک میں پڑ گئے کیونکہ وہ سیرت ائمہؑ پر یوں عمل پیرا تھے ان کے اعلیٰ نفسوں کو سیرت ائمہؑ سے جدا کرنا ناممکن تھا جیسے روح کو جسم سے، اگر جسم سے روح کو علیحدہ کر دیا جائے تو لاش رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے مجتہدین ائمہؑ سے یوں متمسک تھے جیسے روح جسد سے ہوتی ہے۔ دوسری اصطلاح میں نے جناب ریاض الدین حیدر جعفری کے اجتہاد کو دیکھ کر تحریر کی تھی جن کا ایمان اور اعتقاد ہر تھوڑے دن بدلتا رہتا تھا۔ کبھی انشاء کے قصد کے ساتھ کہتے تھے کہ میں تقلید کرتے ہوئے دنیا سے اٹھوں گا۔ پھر کہنے لگے کہ میں اخباری ہوں۔ یہ بات بھی سب پر عیاں ہے کہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ خود کو اخباری درجہ پر فائز عالم کہہ رہے ہیں تو چند ذی علم اور شیعہ معززین نے ان سے اس بابت وضاحت چاہی تب انہوں نے اسکو الزام قرار دیا اور کہا کہ مجھ پر بہتان باندھا جا رہا ہے۔ اسی لئے انہیں اپنی صفائی میں قصداً انشاء اللہ کے ساتھ کہنا پڑا کہ میں تقلید پر مروں گا۔ مگر نصر اللہ عابد اپنے پیر و پیغمبر کی محبت میں اس قدر اندھے ہیں کہ خر کی طرح حق سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ باطن میں جب شر پوشیدہ ہو تو خیر کیسے سمجھ میں آئیگا۔ وہ حق و باطل خیر اور شر کو یوں گڈ مڈ کر دیتے ہیں جس سے ان کی کثافت نفسی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مومنین کی روح لطیف ہوتی ہے۔ کفار و مشرکین کی روح نجس اور آلودہ ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ کا قول ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت پر لوٹ جاتی ہے چنانچہ جن کی ارواح نے وادی السلام میں روز میثاق بجائے اہلبیتؑ کی محبت کے اُوم سے محبت کا وعدہ کیا وہ آج اُوم کے گن گا رہے ہیں۔ بھجن گا رہے ہیں، کیرتن کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے جشنوں کی محافل میں تالیاں بجائی جاتی ہیں۔ مولائے کائناتؑ کے عقد کی تاریخ کیم ذی الحجہ میں مثل ہندوؤں کے برات نکالی جاتی ہے، دھنگانے پکڑے جاتے ہیں۔ بیہودگی کی انتہا ہے کہ خواتین تک نیک وصول کرتیں ہیں۔ یہ سب ہندو ریت و رواج اسی اُوم کی پرستش میں پڑھ کر اپنائے گئے ہیں۔ کیا مولائے کائناتؑ کی شادی برات دھینگانہ پکڑنے کی بھی نص ہمیں کہیں ملتی ہے؟

دوسری غلط فہمی یہ کہ ریاض الدین حیدر نے 61ء کے بعد کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہیں کی ہے بالکل غلط ہے۔ اخبار میں جو تصویر شائع ہوئی ہے وہ انقلاب اسلامی ایران کے بعد کی ہے۔ یہ انقلاب 1979ء میں آیا تھا۔ اس کے بعد ہی رہبر ایران حضرت آیت اللہ خامنہ ای ہندوستان حیدر آباد تشریف لائے تھے۔

تیسری کج فہمی یہ ہے کہ ہم اُصولی حضرت آیت اللہ خمینیؒ کو نعوذ اللہ امام مانتے ہیں۔ اُصولیوں میں سلسلۂ امامت ختم نہیں ہوا ہے یہ لوگ بھی مثل قادیانیوں کے ہیں۔ شائد انہیں یہ نہیں معلوم کے شیعہ اثنائے عشری بارہ کے علاوہ کسی کو امام نہیں مانتے البتہ خود ساختہ اخباری جو ایک مرض متعدی کی طرح ہیں اور جس معاویہ کے شیعہ اُونٹ اور اُونٹنی کا فرق نہیں جانتے تھے انہیں باور کرا دیا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت علیؑ خود کو اللہ کہتے ہیں چنانچہ وہ اسے سچ سمجھ بیٹھے اور حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے لگے۔ ستر ہزار منبروں سے مولائے متقیانؑ پر سب و شتم جاری کر دیا گیا۔ اب اسی معاویہ کے حواری پھر حضرت علیؑ کو اللہ ثابت کرنے کی سعی ناپاک کر رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرک و کافر کون ہے اللہ والے کون ہیں اور اوم والے کون ہیں۔ مولا کے نام کے ساتھ اُوم کو شریک کر کے کس نے حماقت کی اور مذہب اثنائے عشری کو دیگر مسلمانوں کے فرقوں میں رسواء و ذلیل کر دیا۔

آپ نے میرے حوالہ جات کو مسترد کرتے ہوئے میرا اجتہاد قرار دیا ہے حالانکہ میں خود کو اس فضلیت کا اہل نہیں سمجھتا ہوں۔ اخباریوں کی طرح خود کو اخباری نہیں سمجھتا۔ آپ کے جہل کی حد کو مقرر کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ آپ کا جہل علم و عقل کی ساری سرحدیں عبور کر کے ابو جہل کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے۔ اب ایسے جہلا کے لئے افہام و تفہیم، وعظ و نصیحت، قرآن اور حدیث کی نص روایت کی باریکی سمجھ میں نہیں آتی۔ سب بیکار ہو جاتے ہیں آپ نے میرے اسناد کو مسترد کرنے کے لئے تفسیر صافی کا حوالہ دیا ہے۔ شائد آپ نے تفسیر صافی کو بھی ہمدرد کی صافی سمجھ کر بلا سمجھے، غٹا غٹ پی لیا ہے۔ جو سورۂ عنکبوت کی 69 آیت ہے (ترجمہ و تفسیر: فرمان علی)۔ اور اس کا ترجمہ صحیح مفہوم اور شان نزول کو سمجھ نہیں پائے اور غلط تاویل کر بیٹھے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ کی حدیث میں بھی میرے اضافہ کا سبب ٹھہرایا۔ تین لفظ بڑھا دینے کا مجھ پر الزام دھر دیا۔ اسی توقیع امام زمانہؑ کے نقل کو غلط ٹھہرایا۔ جبکہ اس میں کوئی تحریف نہیں ہے۔ ہم اُصولیوں کا یہ وطیرہ نہیں ہوتا ہے کہ ہم نص سے اجتہاد کرتے ہیں لیکن تحریف نہیں کرتے۔ یہ تو آپ جیسے خود ساختہ اخباریوں کا مسلک ہے۔ جو قرآن کو بھی تحریف شدہ مانتے ہیں اور قرآن کی آیات میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔

''تحریف قرآن: بحوالہ آیت اللہ شیخ محمد حسین آل

کاشف الغطاءؒ، اُردو ترجمہ حضرت علامہ سید ابن حسن نجفی، مطبوعہ نظامی پریس لکھنو۔صفحہ :131 '' اللہ کی وہ کتاب جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ وہی ہدایت نامہ ہے جسے پروردگار عالم نے معجزہ بنا کر نازل کیا اور اس کے ذریعہ احکام دین کی تعلیم دی۔ نہ اس میں کوئی کمی ہوئی ہے اور نہ زیادتی مسلمانوں میں جو لوگ تحریف کے قائل ہیں وہ خطا پر ہیں کیونکہ اس اعتقاد سے نص کتاب ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُون'' (سورۂ حجر آیت 9)'' اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

حالانکہ قرآن کی ایک آیت تو چھوڑیے ایک لفظ کا منکر بھی کافر ہوتا ہے۔ میں اس مضمون کو چھیڑ کر نفس مضمون سے ہٹنا نہیں چاہتا کیونکہ آپ کی اور میری بحث کا موضوع تو صرف کفار سے مشابہت اور ایمان کی عظمت سے متعلق ہے۔ آپ نے ایسے ضمنی سوالات اٹھائے کہ موضوع اپنی ڈگر سے ہٹتا جارہا ہے۔ مجتہد جامع الشرائط سے رجوع کرنے کے تعلق سے آپ نے نص کے متعلق پوچھا ہے۔ اس کے لئے میں یہاں امام آخر الزماںؑ کا ایک ارشاد مکاتیہ حمیری میں ہے'' بعد میں پیش آنے والے حوادث اور واقعات میں ان اشخاص کی طرف رجوع کرو جو ہمارے علوم کو حاصل کر کے دوسروں تک پہونچاتے ہیں کیونکہ وہ میری طرف سے حجت ہیں اور میں اللہ کی طرف سے حجت ہوں۔'' دراصل اجتہاد کی مخالفت علمی اور دینی مقاصد کے لئے نہیں بلکہ شخصی دشمنی میں کیے جارہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کے قبلہ وکعبہ جناب ریاض الدین حیدر جعفری کی کتابوں سے خود ان کے اصولی المسلک ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔ ''وما علینا الا البلاغ المبین ''۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ جب آپ کے قبلہ وکعبہ ماواء وملجاء عبادت خانہ حسینی میں نماز پڑھایا کرتے تھے تو رقعوں میں خود کو پیش امام لکھتے اور لکھواتے تھے تو کیا ہم اس کے معنی نعوذ باللہ امام کے آگے سمجھیں۔ امام سے بھی فضیلت میں چار قدم آگے سمجھیں۔ یہ آپکی ناقص عقل کا ادراک ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم ناسمجھ اور ناقص العقل ہرگز نہیں ہیں۔ ہمارے ہوش وخرد ٹھکانے پر ہیں۔ اور وہ انشاء اللہ مرتے دم تک قائم بھی رہیں گے۔ (آمین)

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

آغا نصر اللہ عابد صاحب چند ایسے سوالات بار بار دوہرا رہے ہیں جنکا جواب انہیں متعدد بار اپنے جاری کردہ جوابی سلسلہ میں مَیں دے چکا ہوں۔ اگر کوئی کٹ حجتی پر اُتر آئے تو اسکا کیا جواب ہوسکتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود اخباری مسلک کے بُرد بار معیار اور تحمل سے کام لینے کی روش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں پھر ایک بار آپکے سوالات کے جواب تحریر کر رہا ہوں۔

س: مجتہد کے مرنے سے اس کے دیئے ہوئے فتوے کیوں مرجاتے ہیں؟

ج: یہ آپکی غلط فہمی ہے۔ مجتہد کے مرنے سے فتویٰ نہیں مرتا لیکن اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مجتہد باحیات نہیں ہے لہٰذا وہ اس فتوے میں اپنے مقلد کو وضاحت نہیں کرسکتا۔ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ جو لوگ آقائے بروجردیؒ، آقائے محسن الحکیمؒ آقائے خوئیؒ وغیرہ یا ان سے قبل کی تقلید میں ہے وہ اب بھی ان کی تقلید پر باقی ہیں۔ نہ ان کے فتاویٰ مرے ہیں نہ اس کے ماخذ۔

(نوٹ: اس کی مثال آپ لوگ خود نماز عید غدیر کے موقع پر آیت اللہ محسن الحکیمؒ کا فتویٰ پیش کرتے ہیں اگر آپ کے حساب سے یہ مرچکا ہے تو اس کا پیش کرنا ......!!!)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ فتویٰ درپیش حالات کی روشنی میں دیا جاتا ہے اگر وہ حالات بدل جائیں یا وہ صورتِ حال باقی نہ رہے تو فتوے کی افادیت بھی باقی نہیں رہتی۔ فتوے کا حالات اور واقعات سے ارتباط رہتا ہے۔ حکم احکام کی صورت حال پر لگایا جاتا ہے پھر یہ مقتدی کی حالت اور کیفیت پر بھی مبنی ہوتا ہے چنانچہ ائمہؑ نے بھی اپنے چاہنے والوں کو ایک ہی مسئلہ پر الگ الگ حکم سنائے ہیں۔

س: پہلا مجتہد کون تھا؟

ج: اگرچہ کہ میں اس کا جواب بارہا دے چکا ہوں لیکن اس کے باوجود ایک بار پھر آپ کی تشفی کے لئے نص ایمان کی روشنی میں دے رہا ہوں بشرطیکہ آپ کو اس پر یقین آئے کیونکہ جنہیں قرآن پر بھی یہ شک ہو کہ یہ تحریف کردہ ہے انہیں احادیث اور ان کی حقانیت پر کیسے یقین آئے گا؟ لیکن پھر بھی میں حوالے کے ساتھ درج کر رہا ہوں۔

مکتب امامیہ میں اجتہاد کا باب عرف عام میں اس وقت کھلا جب امامؑ غیبت کبریٰ میں جاچکے۔ یہ غیبت کبریٰ 305 ہجری کے لگ بھگ شروع ہوئی۔ اس دوران امامؑ کے چار نائبین عوام اور امامؑ کے درمیان وسیلہ بنے رہے۔ وہی احکام کو امامؑ سے حاصل کرتے اور مومنین کو پہنچاتے۔ امامؑ کے نائب رابع محمد علی ثمری کے وصال کا وقت جب آپہنچا تو امامؑ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا احوال درست کرلیں اور کہہ دیں کہ ان کے بعد احکام کی دریافت کے لئے علماء سے جو جامع الشرائط ہوں رجوع کریں۔ اس کے لئے میں امامؑ کی ایک حدیث، مکاتیہ حمیری سے نقل کر رہا ہوں'' بعد میں پیش آنے والے حوادث اور واقعات میں ان اشخاص کی طرف رجوع کرو جو ہمارے علوم کو حاصل کرکے دوسروں کو پہنچائیں کیونکہ وہ میری طرف سے حجت ہیں اور میں اللہ کی طرف سے ان پر حجت ہوں۔''

ویسے اجتہاد کی ابتداء دور رسولؐ ہی میں ہوچکی تھی۔ جب اسلام پھیل گیا اور دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو انہیں اسلام اور احکام بتانے کے لئے مبلغین پہنچنے لگے۔ جب انہیں کوئی حکم صریحاً کتاب اور حدیث میں نہ ملا تو انہوں نے ان کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے انہیں حکم سنایا۔ اب رہی بات پہلے مجتہد کی تو یہ بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ جب بارش ہورہی تھی تو زمین پر پہلا قطرہ کونسا گرا۔ اجتہاد ایک ساتھ کئی مقامات پر کئی اشخاص کی جانب سے شروع ہوا تھا لہٰذا کسی ایک شخص کو مشخص کرنا ممکن نہیں۔ یہ کوئی یونیورسٹی سے جاری ہونے والی ڈگری نہیں ہے۔ جسے ریکارڈ میں دیکھتے ہوئے بتادیا جائے پہلی ڈگری اسے دی گئی تھی۔

س: پہلا مجتہد درجہ اجتہاد پر فائز ہونے تک کس کی تقلید میں تھا؟

ج: یہ سوال جہل سے مرکب ہے، کیونکہ وہ جب

اجتہاد کے درجہ پر فائز ہونے کے لئے کوشش کر رہا ہوتا ہے تو یقیناً وہ کسی عالم کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اُسی کے ربط ضبط اور ارتباط میں رہتا ہے۔ عقلی بات ہے کہ جو جس کا شاگرد ہوگا مسائل کو اسی سے رجوع کریگا۔ اور اسی کی تقلید میں رہیگا تاوقتیکہ وہ خود مرتبہ اُجتہاد پر فائز نہ ہوجائے۔

س: تعریف مجتہد میں قرآن کی ایک آیت یا ایک حدیث پیش کریں؟

اس کیلئے ہمارے سابق حوالہ جات دیکھ لیں، جو اسی سلسلے میں دیے جا چکے ہیں۔

س: تشخص نائب امام کا طریقہ اور اسکا جواز کیا ہے؟

ج: نائب امام سے مراد وہ عالم ہے جو قرآن ،احادیث، ارشادات امامؑ سے کما حقہ واقف ہوتا ہے۔ اسے دنیا کی ہوس نہیں ہوتی، وہ نفس پرست نہیں ہوتا، اس کی زندگی سادہ ہوتی ہے، اسکے رہنے کے گھر عالی شان دیوڑھیاں نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی کو جامع الشرائط کہتے ہیں۔ وہ معاشرے میں اپنے نیک اعمال سے مشہور ہوتا ہے اور اس کا تبحر علم علماء پر ظاہر رہتا ہے۔ ایسے ہی جید علماء ایک اعلم کی شناخت کرتے ہیں اور وہی نائب امام مشخص ہوتا ہے۔

تمام سوالات کے جوابات دیئے جا چکے ہیں امید ہے کہ آپ ضد پر اڑیں نہ ہوں اور مرغ کی ایک ٹانگ نہ کہتے ہوں تو سکوت اختیار کرینگے۔ اس کے بعد آپ کے دہرائے ہوئے سوالات کے جوابات نہیں دیے جائیں گے۔

اخباریوں کے سوالات کے نقضی جوابات

(۱) بحث کا آغاز حضرت علیؑ کو ’’اوم‘‘ کہنے سے ہوا تھا برائے مہربانی آپ قرآن اور حدیث یا ارشاد امامؑ کی روشنی میں بتائیں کہ اوم کہنے کا جواز کیا ہے؟

(۲) پہلا اخباری کون؟

(۳) اخباریت کی نص بتائیں؟

(۴) اخباری عالم کی پیروی کا جواز کیا ہے؟

(۵) اخباری عالم کے جواز پر کوئی حدیث یا آیت بتلائیں؟

(۶) کیا اخباری عالم کے بتائے احکام شرعی پر عمل کیا جا سکتا ہے؟

(۷) کیا اخباری عالم کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۸) اخباری عالم کی تقلید کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۹) تفسیر بالرائی کا جواز کیا ہے؟

☆☆☆

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

آغا نصر اللہ عابد (اخباری)

جواب۔ مولائے کائناتؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے ہر فرقے میں الگ الگ نام سے پکارا جاتا ہے۔ ظاہر ہے مولائے کائناتؑ ہیں تو کائنات میں جتنے بھی فرقے ہیں اس میں اور ان کی کتابوں میں مولائے کائناتؑ کے نام درج ہیں۔ ذیل میں کتاب ’’اوم‘‘ اور علیؑ ،مصنفہ حکیم سید محمود گیلانی سے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں امید کہ قارئین اس کو پڑھنے سے ان کی تشفی ہوجائے گی۔

اوم اور علیؑ

بسم اللہ۔ اہل اسلام کسی کام کے آغاز کے وقت ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن اہل ہنود چاہے وہ کسی فرقہ سے ہوں یا گروہ سے تعلق رکھتے ہوں کسی کام کی ابتداء میں ’’اوم‘‘ کہتے اور لکھتے ہیں یہ سسنکرت زبان کا سہ حرفی لفظ ہے جو اہل ہنود میں بسم اللہ کی طرح تسمیہ کے طور پر تبریک وتقدیس کے لئے بولا اور لکھا جاتا ہے اور ہندو عالمانِ مذہب کے قول کے مطابق لفظ اوم خدائے تعالیٰ کے انوار وتجلیات اور قدرت وقوت کا مظہر ہے۔

اوم کے معنی

سسنکرت۔ انگلش ڈکشنری۔ مؤلفہ پنڈت ہر دیال (ایم۔اے) شاستری نے جس میں اوم کے معنیٰ یوں لکھتے ہیں، ترجمہ اوم یہ سنکرت زبان کا ایک پاکیزہ لفظ ہے جو مختلف معانی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس کے حقیقی اور اصلی معنیٰ حسب ذیل ہیں۔

خدا کا ہاتھ۔ خدا کی قوت۔ فطرت کی طاقت۔

ڈاکٹر کے سی چکرورتی کی لغت میں اوم کے معنیٰ خدا کا ایک طاقتور ہاتھ، خدا کی ایک طاقتور روشنی۔ مسٹر جگت لال۔ فاضل سسنکرت نے اوم کے یہ معنیٰ لکھے ہیں۔ ترجمہ اوم۔ قدرت کا وہ قوت یافتہ ہاتھ۔ جو نظام عالم کو چلاتا ہے۔ زمین کا باپ۔ خدا کا چہرہ۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کریں

کہ، خدا کا ہاتھ ۔ ید اللہ، کون ہے؟ اور ید اللہ فوق الجماعۃ قرآن پاک نے کس کی شان میں کہا ہے؟ خدا کی قوت ۔ قوۃ اللہ کسے کہا گیا ہے۔ زمین کا باپ ابوتراب کسے کہا گیا ہے؟ خدا کا چہرہ وجہ اللہ کسے کہا گیا ہے؟

اوم حیدر ہے

ایک اور عجیب بات سنئے کہ چینی اور جاپانی زبان میں اوم کو آوم یا آہوم یا اوہم لکھتے ہیں۔ ایک یوروپین مؤرخ اور مستشرق ڈاکٹر ایڈورڈ ولیم نے لکھا ہے کہ چین اور جاپان کے لوگ ہر کام شروع کرتے وقت آوم یا آہوم یا اوہم لکھتے ہیں۔ اور جب ان سے پوچھا جائے کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑی بزرگ ہستی کا نام ہے جو خدائی قوت رکھتی ہے۔ یہی مؤرخ رقمطراز ہے کہ قدیم ترین جاپانی زبان میں مذکورہ الفاظ اوم آہوم کو ایسی شکل وصورت میں لکھا جاتا تھا کہ اس سے عربی کا لفظ حیدر بن جاتا تھا۔ لیکن آج کل وہ طرز تحریر متروک ہے (ماخوذ از رسالہ تقویم پارینہ مولفہ سلطان خان راہوری) لیکن پڑھنے اور بولنے میں اس کا صوتی انداز وہی ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے تھا۔

اس سلسلے میں مسٹر ڈی ایچ وولف جرمنی سیاح مستشرق نے زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے وہ اپنی کتاب میں جس کا ترجمہ انگریزی میں لندن کے پروفیسر جارج ایرنسی نے ہسٹوریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام (Travelling of eastern countries) مشرقی ممالک کی سیاحت کے نام سے کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ اوم یا آہوم جس کو چین میں اوہم کہتے ہیں سیاح نے پوچھا کہ وہ کون عظیم وجلیل ہستی ہے جس کا نام آہوم یا اوہم یا اوم ہے تو کہا گیا کہ دنیا کا ایک بہت ہی بڑا اور بہت ہی عزت وعظمت والا پیغامبر ہے جس کے ماتحت دنیا کہ تمام رسول اور راہنما ہیں اس کو بیتا کہتے ہیں اس پیغامبر کا ایک بہت ہی عالی مرتبت پرنس اور منٹر یعنی شہزادہ ولی عہد اور وزیر ہے۔ جس کا نام آوم، آہوم یا آوہم ہے۔

قدیم ترین جاپانی کتابوں میں لکھا ہے کہ آہوم کے قبضہ میں سورج اور زمین ہے۔ وہ سورج کو جہاں چاہے لے جاسکتا۔ دیوار و در چڑھا سکتا ہے۔ اور زمین اور اس کی کل اشیاء اس کے اختیار میں ہے۔

اس افضل واعلیٰ پیغامبر کا یہ وزیر اور ولیعہد قلعوں کو توڑنے والا۔ جنگوں کو فتح کرنے والا۔ بڑے بڑے سرکشوں اور شہہ زور پہلوانوں کو چشم زدن میں ہلاک کرسکتا ہے۔

قارئین کرام۔ خصوصاً جناب علی حیدر صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے آپ کو یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اوم کے معنیٰ علیؑ ابن ابی طالبؑ مولائے کائناتؑ حلال مشکلات، ابوتراب، ید اللہ، قوۃ اللہ، قدرت اللہ وغیرہ ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ نے جو اخباریوں کے سوالات کے ضمن میں جو لکھا ہے اس کے بھی مدلل جواب دونگا۔

☆☆☆

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

اس سے قبل بھی میں یہ اعتراف کرچکا ہوں لیکن مزید ایک بار اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ اخباری حضرات نے ایک مباحثہ کو علمی ہی رہنے دیا اور اپنے اشکالات کو تحریراً پیش کیا اور اپنے دلائل کو سامنے رکھا اور کسی قسم کی تشددانہ روش اختیار نہیں کی۔ ہم نے بھی حتی المقدور کوشش کی کہ اسے علمی بحث ہی رہنے دیا جائے۔

اخباری حضرات کی اس شرافت اور مناظرہ کی تہذیب نے ہمیں بحث کو مزید آگے بڑھانے کا حوصلہ دیا ورنہ عام روش یہ ہوگئی ہے کہ علمی باتوں کے جواب میں تیر وتفنگ' لٹھ اور گالی گلوچ سے کام لیا جائے۔ سامنے والے کو خاموش کرانے کیلئے جاہلانہ حربوں کو استعمال کیا جائے۔ لیکن پہلی بار علمی بحث کی روش اپنائی گئی ہے۔ لہٰذا اس قابل تحسین اقدام کی قدر کی جانی چاہیئے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اگر ہمارے شہر کہ گوشہ نشین علماء منبر کے غازی خطباء پہلے ہی علمی فضا کو پیدا کرتے اور مناظرہ کی مہذبانہ روش اپناتے اور اپنے اپنے فطری نکات کو شریفانہ انداز سے پیش کرتے تو حیدرآباد شہر میں فتنہ انگیزی کا یہ طوفان نہ اٹھتا جس کے سبب قتل وغارت گری کے واقعات پیش نہ آتے۔ اس طوفان نے ملت کے اتحاد کو تہہ وبالا کردیا ہے۔ قتل و غارت گری نہ مچتی۔ ہم نے اپنی ملت کے معیار کو اس قدر پست کرلیا ہے کہ اغیار ہمیں ایک جاہل اور اخلاق باختہ گمراہ قوم متصور کرنے لگے ہیں۔ بہرحال جناب نصر اللہ عابد نے تمام تر طولانی مراسلت کے دوران علمی تہذیب کے دامن کو تھامے رکھا۔ ہر تحریر کا جواب تحریر ہی سے دیا۔ میں جناب نصر اللہ عابد وان کے رفقاء اور سرپرست کا تہہ دل سے مشکور ہوں کیونکہ میں جب کبھی اغیار کے درمیان بحث ومباحثہ کی محفلوں میں رہتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ کس قدر اخلاق

سے کام لیتے ہیں اور اپنے دلائل کو کس قدر دل نشین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ملتِ مرحومہ میں اہلِ تشیع ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ملت کے علماء؛ مجتہدین وذاکرین کی قدرومنزلت ہر جگہ کی جاتی تھی۔ملت کے اخلاق کے سب ہی معترف تھے۔اب یہ باتیں خواب ہوگئیں ہیں۔شہر سے علمی کاوش اور اصلاح کی جدوجہد ختم ہوچکی ہے۔ شہر کے علماء وذاکرین کے قلم کی سیاہی سوکھ چکی ہے اور منبروں سے جو خطبات دیئے جاتے ہیں اس میں اہل علم گہرائی اور گیرائی ڈھونڈنے کی عبث کوشش کرتے ہیں۔اب اہلِ تشیع کے علماء ذاکرین ومصنفین ایران‘ عراق ودنیا کہ دیگر مقامات میں تو مصروف ہیں لیکن ہمارے شہر میں جمود طاری ہے۔ایک سناٹا ہے۔کہیں سے کوئی حق کی آواز سنائی نہیں دیتی۔شہر کے علماء و مجتہدین خمس وزکواۃ تو بلا ڈکار لئے ہضم کرجاتے ہیں لیکن دین کی ترویج یا اصلاح معاشرہ کیلئے کوئی اقدام نہیں کرتے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ساقط ہو چکا ہے۔ان پر واجب نہیں ہوا ہے۔ان حضرات کا یہ سکوت معنی خیز ہے۔

یوں تو دنیا میں بے حساب مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب کے معتقدات‘ رسم و رواج اور ان کے عبادتوں کے طریقے مقرر اور مشخص ہیں۔ جس کا دین اس کے ساتھ ہے چنانچہ قرآن میں بھی اس کی صراحت کردی ہے کہ ”لکم دینکم ولی الدین“ ۔زمانے کی ترقی کے ساتھ ان سب مذاہب میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔عقائد میں کجی آئی ہے رسم و رواج تبدیل ہو گئے ہیں اور بعض مذاہب تو مسخ ہوگئے ہیں یا پھر بالکل ہی معدوم ہوگئے ہیں۔ ہمارے مذہب میں بھی بعض جہلاء نے بدعتیں ایجاد کی ہیں اور نقائص پیدا کیئے ہیں۔روحِ مذہب کو چھوڑ کر ریاکاری کو رائج کیا ہے ہماری محفلوں سے تقدس اٹھ چکا ہے۔دوسرے مذاہب کی خرابیوں سے بجائے اجتناب کرنے کے ہم نے انہیں اپنا لیا ہے۔میرا اپنا یہ قوی احساس ہیکہ ہم شعوری یا لاشعوری طور پر اسلام سے ہٹتے جارہے ہیں اور کفر وشرک کو اپناتے چلے جارہے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہیکہ ہم کفر وشرک کی راہ میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب ہمیں ہمارا حقیقی دین بھی نیا نظر آرہا ہے اور آبائی مسلک اجنبی ہو چکا ہے۔شاید یہی وجہ ہیکہ آثارِ ظہورِ امام زمانہ عجہ کے سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئیں ہیں ان میں مذکور ہوا ہیکہ کب ہمارے امامؑ ظاہر ہوں گے اور حق پیش کریں گے تو لوگ یہی گمان کریں گے کہ امامؑ برحق جس کے ہم ہزار سال سے زائد عرصہ سے منتظر ہیں کوئی نیا مذہب یا دین لے کر آئے ہیں کیونکہ امامؑ نہ اوم کا ذکر کریں گے نہ کسی ویدیا پُران‘ یا لغات کا حوالہ دیں گے بلکہ امام تو ہمارے سامنے قرآن پیش کریں گے اور احکامِ الٰہی (حدیثِ قدسی) احادیث نبویؐ اور دیگر ائمہؑ کے ارشادات پیش کریں گے۔چونکہ ہم ان سب سے کوسوں دور ہو چکے ہیں لہٰذا ہمیں ہمارا دین ہی اجنبی نظر آئے گا۔حضرت علیؑ کا قول ہیکہ ”میں دیکھ رہا ہوں تم میں شرک یوں در آیا ہے جیسے سیاہ رات میں رینگتی ہوئی سیاہ چیونٹی“۔ اندازہ کیجئے کیا کوئی تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کو سیاہ پہاڑ پر رینگتے ہوئے دیکھ سکتا ہے؟ تو پھر ہم اپنے میں در آئے شرک وکفر کو کیونکر دیکھ پائیں گے؟ لہٰذا ہمیں ایسے مبلغین وخطباء سے دوری اختیار کرنی لازمی ہوگی جو ہمارے اسلامی اعتقادات کو غیر محسوس طریقے پر بدلنے کیلئے شب وروز مصروف ہیں۔

جب کسی کو ہم اس غلط فہمی میں کہ وہ نعوذ باللہ حضرت علیؑ ہیں سمجھ کر وابستگی اختیار کریں گے تو لازمی ہیکہ پھر اس نام‘ ہستی اور اس کی تعلیمات سے دھیرے دھیرے محبت بھی بڑھتی جائے گی۔اس کے بعد اس ہستی کے بارے میں اور اس کی تعلیمات کے تعلق سے جاننے کی فطری طور پر ضرورت محسوس ہوگی۔پھر ہم ان تعلیمات کو لازماً اپنانے لگیں گے۔ اس کے اقوال اور سیرت کو اپنی زندگیوں میں سمونے کی ارادتاً کوشش میں لگ جائیں گے اس طرح ہم ان مذاہب کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے جن کا اسلام اور اسلامی تعلیمات وشعار سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یوں ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنا مذہب مسخ کرنے کا موجب بنیں گے۔ یہودیت و عیسائیت جو الٰہی مذاہب تھے اور جن کی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بھیجی ہوئی تھیں اور جن کے پیغمبر بھی اللہ ہی کے نازل کردہ تھے خود قرآن اس کی گواہی دے رہا ہے۔یہودیت و عیسائیت مذاہبِ حقہ تھے احادیث وارشاداتِ ائمہؑ بھی اس تعلق سے مزید معلومات فراہم کرتے ہیں اس کے باوجود وہ الٰہی مذاہب کاذب مبلغین کی وجہ سے مسخ ہو گئے۔ان مبلغین نے مذہب اور کتب کی غلط تاویلات کی اور اسے حسبِ منشا بنا لیا۔اسلام کی آمد کے بعد ان کتابوں کو منسوخ کر دیا گیا اور ان پیغمبروں کی شریعت بھی ناسخ قرار پائی۔اب ان پر عمل نہ کرنے کی سختی سے تاکید کردی گئی ہے۔ان شواہد کے ہوتے ہوئے ہم کسی ایسے مذہب کو اپنے اسلامی مباحث میں دلائل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں جس کے حق ہونے پر کہیں کوئی حوالہ نہیں ملتا اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی یہودیت وعیسائیت کی طرح اللہ کا بھیجا ہوا کوئی دین تھا۔چنانچہ اہلِ ہنود یا سناتن دھرم بدھ مت‘ جین مت یا کسی اور مذہب کے معتقدات اور انکی تعلیمات کا حوالہ دینا حواس باختگی کا ثبوت ہوگا۔دیگر مذاہب کے دیوی دیوتاؤں یا انکی تعلیمات سے ہمارا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ واہلبیتؑ یہ بہتر جانتے تھے کہ ادیان کو لوگ مسخ کرتے آئیں ہیں لہٰذا اسلام کو محفوظ رکھنے کیلئے ایسا بندوبست کیا کہ تا قیامت اسلام اپنی اصلیت پر باقی رہے گا لیکن لوگ خود گمراہ ہوکر دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔تحفظ دین کیلئے حکم دیا گیا کہ ہم دعائے ماثورہ سے ہٹ کر کوئی دعا نہ پڑھیں۔قرآن کی تفسیر بالرائے نہ کریں۔احادیث کو قرآن کی روشنی میں جانچ و پرکھ لیں‘ کیونکہ اگر ان احکام پر عمل نہ کیا گیا تو اسلامی عقائد میں دیگر عقائد کی آمیزش ہو جائیگی اور خطاء وار اسلام سے شرک وکفر کی طرف مراجعت ہو جائیگی۔

تاریخ کے عمیق مطالعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مذاہب اسی لئے مسخ ہوئے کہ ان میں رفتہ رفتہ لوگوں نے اپنی ناقص فکر کو شامل کرنا شروع کردیا۔اس کے چند سالوں بعد ہی یہ مذاہب فکری انتشار کا سبب بن کر ناقابل شناخت ہوگئے۔قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک بجز اسلام کے کوئی اور مذہب پسندیدہ نہیں ہے۔اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ۔اب سمجھ میں آیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں کیوں کفار اور مشرکین سے مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔اس کی حکمت عملی کیا ہے۔ لیکن ہم تو اس مناہی سے دو قدم آگے بڑھ کر نہ صرف

لباس وضع قطع میں بھی مشابہت کرنے لگے ہیں بلکہ غیروں کی مذہبی شخصیتوں اور ان کی معتقدات کو بھی اسلام میں سمونے کی بات کر رہے ہیں۔اوم کا ذکر علیؑ کے ساتھ کرنا ایسی ہی ناقابل برداشت جرأت ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان افراد کو شیطان ورغلانے کے لئے وہی کر رہا ہے جیسے حضرت نوحؑ کی امت کو ان کے بت پرستی کی طرف مائل کرنے ابلیس نے پہل کروائی تھی۔

آج میڈیا میں چرچا ہے اور سماجی و معاشرتی ماہرین ودانشور بھی اس حقیقت کو اجاگر کر رہے ہیں کہ ادیان کو مسخ کرنے کے لئے ایک بڑی سازش رچی جارہی ہے۔امریکہ،مغربی طاقتیں اور یہود ونصریٰ اس سازش کے معمار ہیں۔ان کی نظریں سب سے زیادہ اسلام کو برباد کرنے کے لئے ٹکی ہوئی ہیں۔چنانچہ وہ اسلامی افکار اور تہذیب اور تمدن پر طرح طرح سے یلغار کر رہے ہیں تاکہ اسلام اپنی اصلیت پر باقی نہ رہے۔ان ہی کی سازشوں کی وجہ سے دین میں روز نت نئے فتنے اٹھ رہے ہیں۔مذہب اہلبیتؑ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ ہمیں ہر قدم پر ہدایت کے مینار ملے ہیں۔ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد اہلبیتؑ سے متمسک صرف اسی لئے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے دنیا سے پردہ کر جانے کے بعد ہمیں دین بتانے کے لئے ان سے بہتر پاک وپاکیزہ دکھائی ہی نہیں دیا۔یہ ہستیاں ہر حیثیت اور جہت سے انسانیت کے درجۂ کمال پر فائز ہیں۔ان معصومینؑ کے بعد ہمیں کسی اور ہستی کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔ہماری ہدایت کے لئے یہ بزرگ ہستیاں کافی ہیں۔یہاں تک کہ ہم حوض کوثر پر سیراب ہونے کے لئے پہنچ جائیں۔ان کے بعد ہمیں علماء ومجتہدین کی اگر ضرورت باقی ہے تو صرف اس لئے کہ وہ ہمیں قرآن واہلبیتؑ کی تعلیمات سے واقف کرواکر ہمیں فیض پہنچاتے رہیں۔ہمیں ادھر اُدھر اور دربدر بھٹکنے نہ دیں۔اسلام میں جامع الشرائط کی شرط اسی لئے لگائی ہے۔حضرت علیؑ نے بھی علمائے حق سے رجوع ہونے اور علمائے سوء سے دور رہنے کا حکم فرمایا ہے۔اور اپنے خطبہ 18 نہج البلاغہ میں علمائے حق وسوء کے درمیان فرق کو واضح کر دکھلا دیا ہے۔حیرت ہوتی ہے کہ اسلام کے اس کڑے بندوبست کے باوجود بعض لوگ نہ صرف خود بھٹک رہے ہیں بلکہ اوروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں۔انہیں غیر ضروری باتوں میں الجھا کر اصل دین سے منحرف کر رہے ہیں۔ہمارے جلسوں،جلوسوں اور محفلوں میں اوم کا ذکر ایسی ہی ناروا کوشش ہے۔(جاری.....)

اگر ہمارے شہر کہ گوشہ نشین علماء منبر کے غازی خطباء پہلے ہی علمی فضا کو پیدا کرتے اور مناظرہ کی مہذبانہ روش اپناتے اور اپنے اپنے فطری نکات کو شریفانہ انداز سے پیش کرتے تو حیدرآباد شہر میں فتنہ انگیزی کا یہ طوفان نہ اٹھتا جس کے سبب قتل وغارت گیری کے واقعات پیش نہ آتے۔

مناظرہ

مخالفین اجتہاد سے قرآن و حدیث کی روشنی میں

سید علی حیدر رضوی (ایم اے عثمانیہ)

آپ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ مجھے ہر فرقہ میں الگ الگ ناموں سے پکارا جاتا ہے۔آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے لکھا ہیکہ جب مولائے کائیناتؑ ہیں تو کائینات میں جتنے بھی فرقہ ہیں اس میں اور انکی کتابوں میں مولائے کائیناتؑ کے نام درج ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مولائے کائیناتؑ کے مفہوم کو غلط سمجھا ہے۔یہ صرف شیعہ اثنائے عشری کا عقیدہ ہے۔صرف ہم ہی حضرت علیؑ کو مولائے کائیناتؑ ومولائے متقیانؑ مانتے ہیں۔اپنی اذانوں اور اقامتوں میں بھی اس کی ہر وقت گواہی دیتے ہیں لیکن خود مسلمانوں میں ایسے فرقہ اور مسالک ہیں جو حضرت علیؑ کو خلیفہ تو مانتے ہیں لیکن انہیں وہ تقدیم نہیں دیتے جس کے شیعہ قائل ہیں۔ہم تو حضرت علیؑ کو خلیفۂ بلافصل مانتے ہیں جب کے دوسرے فرقہ درمیان میں فصل کو حق تسلیم کرتے ہیں اور آپؑ کو ہر لحاظ سے چوتھا خلیفہ مانتے ہیں۔دوسرے مذاہب میں تو حضرت علیؑ کوئی مذہبی تقدس بھی نہیں رکھتے۔آپ کی ذات بابرکات ان کیلئے اجنبی ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی مذہبی شخصیتوں کے پیرو کار ہیں۔یہ فرقے یا مذاہب،حضرت علیؑ کو کسی بھی عنوان اور جہت سے مولا نہیں مانتے خود اسلام میں بنی امیہ کے حامی اور دیگر فرقے حضرت علیؑ کو مولا اور قسیم الجنۃ والنار ماننے سے گریزاں ہیں بلکہ غدیر کے موقع پر رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو جو مولائے کائیناتؑ قرار دیا تھا اس کے معنوں میں بھی تکرار کرتے ہیں اور اس کے دیگر معنی لیتے ہیں۔اسی طرح توحید کا تصور بھی ہر مذہب میں جداگانہ ہے۔

توحید کا مطلب صرف موحد ہونا نہیں ہے۔مذہبِ اثنائے عشری میں اللہ کو صرف واحد ویکتا مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ ہر حیثیت سے اسے واحد ماننا ہے۔وہ تنہا رزاق' خالق ہے' رب ہے' مسبب

الاسباب ہے۔حی ہے' قدیم ہے' لایموت ہے'غنی ہے اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمام تر قدرت کا مالک ہے۔حکومت صرف اسی کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کو ہر جہت سے اپنا معبود نہیں مانتے۔اس کی ذات کو افعال و اسباب کے اعتبار سے مختلف حصوں میں منقسم کر دیتے ہیں۔اس کی مختلف شکلیں بنا کر ان ہی اعتبارات سے اس کے بت تراشتے ہیں اور علامتیں بنا کر اپنی روحانی تشفی کیلئے اپنا معبود خود ڈھال لیتے ہیں۔معبود بنا کر پرستش کرنے لگتے ہیں۔اب آپ خود فیصلہ کریں کہ مذہبِ اثنائے عشری میں اللہ تعالیٰ کا جو تصور ہے کیا وہی تصور وعقیدہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں رائج ہے۔

اسی طرح پیغمبر اسلام رسول اکرم محمد مصطفیٰ ؐ رحمت اللعالمین ہیں' خاتم الانبیاء ہیں۔کیا مسلمانوں کے دیگر فرقے بھی بعینہ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں؟ کیا قادیانی اور بہائی الگ معتقدات نہیں رکھتے جس کی بناء پر انہیں خارج از اسلام قرار دیا جا چکا ہے۔جب ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے اعتقادات میں اتنا زیادہ فرق آسکتا ہے تو ہم دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ آپ جن حضرات کی شناخت اپنے ہیروز کی حیثیت سے کر رہے ہیں وہ وہی ہے جنہیں دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے ناموں سے معنون کرکے مان رہے ہیں؟ یہ غلط فہمی اور جہل قطعی نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟ اسلام کسی دوسرے مذہب سے کوئی مشابہت بالکل نہیں رکھتا۔اسلام کی خود اپنی ایک علیحدہ شناخت ہے چنانچہ قرآن کہہ رہا ہے''**قل یا ایہا الکافرون.......... لکم دینکم ولی دین**

اے رسول ؐ کہہ دو کہ اے کافرو! تم جن چیزوں کو پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے اور جنہیں تم پوجتے ہو میں ان کا پوجنے والا نہیں اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت کرنے والے نہیں۔تمہارے لئے تمہارا دین' میرے لئے میرا دین۔''

قرآن کی اس صراحت اور وضاحت کے باوجود آپ نے اوم اور علیؑ کو مشترک کر دیا۔ یہ صرف اور صرف آپ کا نارسا تخیل ہے اور خطائے اجتہادی ہے۔آپ کی اس جدت کو میں بجز اس کے کوئی اور نام دینے سے قاصر ہوں۔اوم کا نام ویدوں پرانوں اور اپنشدوں میں تو ضرور ہے لیکن اللہ کی جانب سے سابق انبیاءؑ پر نازل کی گئیں یا انہوں نے ان سے ہٹ کر جو کچھ بھی کہا ہے ان میں ندارد ہے۔البتہ ان صحیفوں میں آخری پیغمبر کے آنے کی خبر ضرور دی گئی ہے اور ان کی نشانیاں بھی بتا دی گئیں تھیں۔یہی وجہ تھی کہ یہود و نصاریٰ کے علماء و فضلا آپ کا انتظار کر رہے تھے جس طرح ہم امامِ زمانہ عجہ کا انتظار کر رہے ہیں لیکن جب آپ آگئے اور ان علماء نے آپ کو پہچان بھی لیا تو صرف نجی فائدہ کیلئے جان کر انجان ہو گئے اور حضور اکرم ؐ کو آخری نبی ؐ ماننے سے انکار کر دیا۔ ذرا سوچئے کہ جب تمام مذاہب اور فرقوں کی کتب میں مولائے کائناتؑ کا نام مختلف انداز میں درج ہوا ہے تو خود ہماری کتاب قرآن میں جس میں ہر خشک و تر موجود ہے تو پھر کیوں ہمارے مولا کا نام نقل نہیں ہوا ہے۔حالانکہ قرآن میں پورا ایک سورہ حضور اکرم ؐ کے نام سے''سورۂ محمد'' کے عنوان سے نازل ہوا ہے۔کیا ایک اور سورہ حضرت علیؑ کے نام سے اللہ کی جانب سے نازل نہیں کیا جا سکتا تھا حالانکہ حضرت رسول اکرم ؐ و حضرت علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔مزید برآں خود اسماء الٰہی میں اللہ کا ایک نام علی بھی ہے۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ تم اپنے ذہن سے پیش قیاسیاں مت کرو۔رسول ؐ جو دے دیں اسے لے لو اور رسول ؐ جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ ہاں یہ ایک کھلی حقیقت ضرور ہیکہ مولائے کائناتؑ کی شان اور فضیلت میں کئی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔اہلبیتؑ کی شان میں سورۂ دہر والکوثر وغیرہ نازل ہوئے لیکن سورۂ محمد کی طرح حضرت علیؑ کی شان میں ان کے نام سے کوئی سورہ نازل نہیں ہوا۔ شاید اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہو لیکن اس سے حضرت علیؑ کی فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو جاتی۔کیونکہ اشارتاً کنایتاً اور صراحت کے ساتھ بے شمار آیتیں مولائے کائناتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

رسول اکرم ؐ نے بھی آپ کو کئی الفاظ سے نوازا ہے لیکن آپ کے خطبات میں اوم کا ذکر حضرت علیؑ کی تعریف میں کہیں نہیں ملتا۔سب سے بڑھکر جنگِ خندق میں حضور اکرم ؐ نے آپ کو کرار' غیر فرار وغیرہ وغیرہ جیسے القاب سے نوازا اور آپ کے اعلیٰ اوصاف کا بڑی شان سے تذکرہ فرمایا۔غدیر کے موقع پر بھی ایک طویل خطبہ دیا لیکن اس طویل خطبہ میں حضرت علیؑ کو کہیں بھی اوم کے لفظ سے ملقب نہیں فرمایا۔ان سب نصوص کے باوجود نہیں معلوم آپ کیوں مصر ہیں کہ حضرت علیؑ کو اوم مانا جائے۔اپنے اصرار کو زبردستی شیعہ ملت پر مسلط کرنے آپ نے ایک کتاب''اوم اور علیؑ'' مؤلفہ حکیم سید محمود گیلانی کا حوالہ دیا ہے۔اس کے علاوہ بعض دیگر غیر مستند اور غیر معروف اقوال نقل کئے ہیں لیکن ان میں ایک بھی ایسا ماخذ نہیں ہے جس کا اسلامی ادب سے تعلق ہو۔لغات' سفر نامہ اور دیگر دانشوروں کی بے بنیاد تحقیقات اسلام کے ماننے والوں کیلئے سند نہیں بنتیں اور نہ ہی یہ قابلِ قبول ہوتیں ہیں۔ ہماری بحث کا موضوع اسلام اور اس کی تعلیمات واحکامات ہیں نہ کہ کسی غیر نے ہمارے ائمہؑ وغیرہ کے تعلق سے کیا لکھا ہے اس پر مناقشہ ہے۔حکیم سید محمود گیلانی کا نام حضرت غوثِ اعظم سے نسلاً یا ارادتاً ہونے کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔اگر ان کی یہ تحقیق معتبر ہوتی تو اہلِ سنت کے خوش عقیدہ اور حضرت علیؑ کے عقیدت مند آپ لوگوں پر اعتراض نہیں کرتے۔وہ پہلے خود مانتے اور پھر آپ کو بھی اس تعلق سے تہنیت پیش کرتے۔

آپ نے اپنی خطائے اجتہادی کو منوانے کیلئے بعض سنسکرت لغات کا حوالہ دیا ہے۔ہم بھی آپ کو لغت ہی کے ذریعہ ایک حوالہ دیتے ہیں ملاحظہ فرمالیں اور اپنے ایمان کی درستگی کا بندوبست کرلیں۔ جامع فیروز اللغات مرتبہ الحاج مولوی فیروز الدین مرحوم سے نقل کرتے ہیں۔ لفظ اوم ہندو تثلیث (برہما۔ وشنو۔ شیو) کا مشترکہ مقدس نام۔ یہ تینوں عظیم دیوتا خدائے واحد (اوم یا ایشور یا پرماتما) کہلاتے ہیں۔کیا آپ حضرت علیؑ کو بھی اوم کہہ کر عقیدہ تثلیث سے جوڑنا چاہتے ہیں؟

بے سند کتاب کا حوالہ دیا ہے جو حکیم سید محمود گیلانی کی مؤلفہ ہے۔کتاب کے مؤلف کا تعلق گیلان سے ہے جہاں سے حضرت غوث اعظم کا تعلق رہا ہے۔ یہ صوفیاء کرام کا سلسلہ ہے صوفیائے کرام سے حضرت امام علی النقیؑ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔آپ نے

اس کے علاوہ بھی سنسکرت انگلش ڈکشنری مؤلفہ پنڈت ہردیال شاستری اور ڈاکٹر کے سی چکرورتی کی ڈکشنری یوں کے غیر مستند حوالے دیئے ہیں۔اور اس سے غیر منطقی استنباط کیا ہے۔ دارالشفائی اجتہاد کیا ہے۔لفظ اوم کے معنوی اور اس کی معرض گفتگو نہیں ہے بلکہ اصل موضوع یہ ہے کہ کیا حضرت علیؑ اور اوم ایک ہی ہیں۔کہیں یہ تلبیس شخصی والا معاملہ تو نہیں ہے۔آپ نے جن مذاہب کا ذکر کیا ہے وہ مظاہر پرستی پرمبنی ہیں جن میں سورج چاند جھاڑ پہاڑ اور ندیاں بھی دیوی دیوتا ہیں۔ جہاں مٹی بھی ماں ہے آپ نے لکھا ہے کہ

''چین اور جاپان کے لوگ ہر کام شروع کرنے سے قبل اُوم یا آہوم یا اوہم لکھتے ہیں اور جب ان سے پوچھا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑی بزرگ ہستی کا نام ہے جو خدائی قوت رکھتی ہے۔یہی مورخ رقمطراز ہے کہ قدیم ترین جاپانی زبان میں اُوم آہوم کو ایسی شکل وصورت میں لکھا جاتا تھا کہ اس سے ایک عربی کا لفظ حیدر بند جاتا تھا آج کل وہ طرز تحریر متروک ہے۔ماخوذ از رسالہ تقویم پارینہ مولفہ سلطان خان (راہوری) لیکن پڑھنے اور بولنے میں اس کا صوتی انداز وہی ہے جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے تھا۔اس کے بعد آپ نے ایک اور حوالہ اس بابت دیا ہے کہ مسٹر ڈی ایچ وولف جرمن سیاح مستشرق نے زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے۔وہ اپنی کتاب میں جس کا ترجمہ انگریزی میں لندن کے پروفیسر جارج ایمرسی نے ہستوریکل کے زیر اہتمام مشرقی ممالک کی سیاحت کے نام سے کیا ہے۔ایک جگہ لکھتا ہے کہ اُوم یا آہوم جس کو چین میں اوہم کہتے ہیں۔ جب سیاح نے ان سے پوچھا کہ وہ کون عظیم وجلیل القدر ہستی ہے جس کا نام آہوم ی اُوم ہے تو کہا گیا کہ دنیا کا ایک بہت ہی بڑا اور بہت ہی عزت وعظمت والا پیغامبر ہے جس کے ماتحت دنیا کے تمام رسول اور رہنما ہیں اس کو میتا کہتے ہیں۔اس پیغامبر کا ایک بہت ہی عالی مرتبت پرنس اور میٹر یعنی شہزادہ ولی عہد اور وزیر ہے جس کا نام اُوم آہوم ہے۔قدیم ترین جاپانی کتابوں میں لکھا ہے کہ آہوم کے قبضہ میں سورج اور زمین ہے وہ سورج کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔ دیوار ودر چڑھا سکتا ہے۔زمین اور اس کی کل اشیاء اس کے اختیار میں ہے۔اس افضل واعلیٰ پیغامبر کا یہ وزیر اور ولی عہد قلعوں کو توڑنے والا جنگوں کو فتح کرنے والا بڑے بڑے سرکشوں اور شہزوروں کو چشم زدن میں ہلاک کرسکتا ہے۔

''قارئین کرام خصوصاً جناب سید علی حیدر صاحب کو مذکورہ بالا عبارت سے آپ کو یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اوم کے معنیٰ علیؑ ابن ابی طالبؑ مولائے کائنات حلال مشکلات ابوتراب یداللہ قدرت اللہ وغیرہ ہیں۔''

آپ کی یہ عبارت پڑھ کر اور ان مذکورہ حوالوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کی عقل وایمان اور متزلزل ایقان پر خونی ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ قرآن، حدیث اور ارشادات ائمہؑ کو چھوڑ کر آپ نے غیر مستند اور غیر معروف اقوال واحوال اور مجہول عقائد کو دلیل بنایا ہے۔

ہم یہاں مذہب اسلام اور اس کے عقائد پر بحث کررہے ہیں اور دلائل پیش کررہے ہیں جنہیں قابل قبول اور مضبوط ہونا چاہئے جس پر علماء ودیگر صاحبان عقل متفق ہوسکیں تاکہ یہ کہ ہم اغیار کی دیومالائی کہانیوں کو بنیاد بنائیں اور سرنامہ سخن ٹھہرائیں۔ہم کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کس کافر ومشرک یا اغیار کے دانشور نے کیا لکھا ہے اور کیا کہا ہے۔یہ زیادہ معتبر ہوتی اور قابل قبول ہوتی کہ آپ اسلام اور اسلامی کتب کو بطور دلیل پیش کرتے۔

آپ نے اہل سنت والجماعت کے ایک مؤلف حکیم سید محمود گیلانی کی کتاب ''اوم اور علیؑ'' کا حوالہ دیا ہے جسے خود اہلسنت درخور اعتناء نہیں سمجھتے چنانچہ اہل سنت کی ایک کثیر تعداد آپ کے یہاں اپنا اعتراض لیکر پہونچ گئی اور حضرت علیؑ کے نام سے اوم ہٹانے کے لئے اصرار کیا۔

قرآن کے بعد ہماری دینی تعلیم کا بڑا سرچشمہ احادیث رسولؐ ہیں۔حدیث کا مضمون بھی اگر قرآن کے خلاف ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس سے وضع حدیث کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔علمی مباحث میں خاص کر مذہبی اور اعتقادی مہمل حوالے کام نہیں آتے۔اس سے مبحث کے علمی معیار اور گنجلک معتقدات کا پتہ چلتا ہے۔اسلام میں ہر عقیدہ عقلی جواز رکھتا ہے اور ہر عمل یا تکلیف شرعی ماخذ حکم کا طلب گار ہوتا ہے۔ ہمارے مذہب حقہ میں تمام عقائد اور بجائے لائے جانے والے احکام کو قرآن اور احادیث اور رسول اکرمؐ وائمہ معصومینؑ کی سیرت سے سند حاصل کرنی پڑتی ہے۔یہ صاف وشفاف اور واضح ہیں۔اسلام میں دوجمع دوصرف اور صرف چار ہوتے ہیں نہ کہ تین یا پانچ ہوتے ہیں۔مزید برآں اسلام قبول کرنے کے لئے جو پہلی شرط عائد کی گئی ہے۔وہ اُصول ایمان (معتقدات) کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور عقل کی روشنی میں پرکھ کر ایمان لانے کی شرط عائد کی گئی ہے۔

صرف زبانی اقرار اس کے لئے کافی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اُصول دین میں تقلید حرام ہے۔صرف فروع کی حد تک تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔اسلام میں شک وظن اور ذاتی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔دوسری بے سروپیر کی بات آپ نے یہ کہی ہے کہ ''مسلمان کسی کام کے آغاز سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے ہیں یا پڑھتے ہیں۔اہل ہنود خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کسی کام کی ابتداء میں اُوم لکھتے ہیں یا پھر زبانی کہتے ہیں۔یہ سنسکرت زبان کا سہ حرفی لفظ ہے۔جو اہل ہنود میں بسم اللہ کی طرح تسمیہ کے طور پر تبریک وتقدیس کے لئے بولا اور لکھا جاتا ہے۔اور ہندو مذاہب کے قول کے مطابق لفظ اوم خدائے تعالیٰ کے انوار وتجلیات اور قدرت وقوت کا مظہر ہے۔''

آپ کا اصل اعتقاد کیا ہے میری سمجھ سے بالاتر ہے۔در اصل آپ توازن ذہنی کے ساتھ بحث نہیں کررہے ہیں بلکہ آپ انتشار ذہنی کا شکار ہیں کبھی آپ لفظ اوم سے حضرت علیؑ کی ذات مُراد ہے کا استدلال پیش کرتے ہیں اور کبھی اوم سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی تقدیس اور اس کے انوار وتجلیات کو مراد لیتے ہیں۔کیا آپ نعوذ باللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ ہی اللہ تعالیٰ ہیں۔اسی رب العالمین کی تجلی وقوت ہیں گویا آپ حضرت علیؑ کی ذات میں اللہ تعالیٰ کی لامتناہی ذات کو مجسم کررہے ہیں۔ خالق ومخلوق کو ایک ہی سمجھ رہے ہیں۔اس سے بڑا شرک اور کیا ہوسکتا ہے۔آپ نے تو لاشریک کی ذات میں مولائے کائناتؑ کی ذات کو شریک قرار دے دیا ہے۔یہ آپ کا غلو ہے۔جس سے خود مولا علیؑ اور رسول اکرمؐ اور اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔اللہ کے نزدیک شرک سے بڑا کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے۔یہ ناقابل معافی ہے۔مشرک کی شفاعت نہ حضرت علیؑ فرمائیں گے اور نہ ہی رسول اکرمؐ و دیگر ائمہؑ چنانچہ مولائے کائناتؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں ''میرے بارے میں دوقسم کے لوگ تباہ وبرباد ہوئے۔ ایک وہ چاہنے والا جو حد سے بڑھ جائے اور ایک وہ دشمنی رکھنے والا جو عداوت رکھے'' (نہج البلاغہ، صفحہ 839 خطبہ

نمبر117) میرے بارے میں دوقسم کےلوگ ہلاکت میں مبتلا ہونگے۔ایک محبت میں حد سے بڑھ جانے والا دوسرا جھوٹ وافتراء باندھنے والا۔نوٹ۔اسی صفحہ پر مولاؑ نے توحید کی بھی تشریح کی ہے۔آپ نے اس خطبہ کوخوارج کونصیحت کرتے ہوئے ارشادفرمایا تھاجوگمراہ ہوچکے تھے۔اور دوسرے لوگوں کو ورغلا رہے تھے۔ انہیں قتل کررہے تھے اور اپنی جانب سے قرآن واحادیث کی غیرمعقول اورغیرمنطقی تشریح کررہے تھے یہ بڑا طویل خطبہ ہے صرف ایک ٹکڑا درج ہے۔(خطبہ125صفحہ،353)

’’(یاد رکھو) میرے بارے میں دوقسم کے لوگ تباہ وبرباد ہونگے۔ایک حد سے زیادہ چاہنے والا جنہیں (محبت کی افراط) غلط راستے پر لگادے گی اور ایک میرے مرتبہ میں کمی کرکے دشمنی رکھنے والے کہ جنہیں یہ عنادحق سے بےراہ کردے گا۔میرے متعلق درمیانی راہ اختیار کرنے والے ہی سب سے بہتر حالت میں ہونگے۔تم اسی راہ پر جمے رہو۔اوراسی بڑے گروہ کے ساتھ لگ جاؤ چونکہ اللہ کا اتحاد واتفاق رکھنے والوں پر ہے اورتفرقہ وانتشار سے بعض آجاؤ۔ اس لئے کہ جماعت سے الگ ہوجانے والا شیطان کے حصہ میں چلا جاتا ہے۔جس طرح گلے سے کٹ جانے والی بھیڑ بھیڑیے کومل جاتی ہے۔
کسی کواس کےحق سے زیادہ سراہنا چاپلوسی ہے۔اورحق میں کمی کرنا کوتاہ بیانی ہے یاحسد۔‘‘
(صفحہ 918 کلمہ 347)

نوٹ: مولائے کائناتؑ کے یہ ارشادات جوجداعتدال میں رہنے کے متعلق ہیں بحار الانوار جلد 7 کے صفحہ 430 پربھی درج ہیں۔

☆☆☆